

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224841**

UNIVERSAL  
LIBRARY









جملہ حقوق بذریعہ عیسوی محفوظ

سلسلہ تصانیف حالی

نمبر

۳۷۶

# مجاہد النساء

شمس العسلما مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

نے عورتوں کی تعلیم کیلئے تالیف کیا

حصہ اول



۶۱۳۷۲

۶۱۹۲۷

باہتمام خواجہ فرزند علی

حالی پریس پبلیشرز چھاپا

# حالی پریس پانی پت

ایک عرصہ سے پانی پت میں ایک مطبع جاری کر نیکی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ مولانا حالی کی زندگی میں اُنکے دوست جناب مولانا وحید الدین صاحب سلیم نے ایک مطبع اسی نام کا جاری کیا تھا جو چند سال نہایت مفید کام کر نیکی بعد بند ہو گیا۔ اب میں نے اپنے نانا صاحب

(مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی) مرحوم و مغفور کی یادگار ایک نیا مطبع بنام **حالی پریس** جاری کیا ہے۔ اسکا مقدم مقصد یہ ہے کہ مولانا حالی مرحوم کی تمام تصانیف ایک سلسلہ کی صورت میں اور ایک تقطیع پر چھپوائی جائیں اور انکی تصحیح کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ اس کے علاوہ کوشش کی جاتی ہے کہ اجرت کا کام عمدہ اور جلدی

کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو کفایت کے ساتھ کیا جائے۔ پریس کی کامیابی اور اُسکی ترقی افسران محکرات اور رؤسا اور پبلک کی سرپرستی اور نوجو پر منحصر ہے۔ اگر یہ حاصل ہوگی تو ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے کہ پریس اس سرپرستی کا پورے طور پر مستحق ثابت ہو۔

## تصانیف حالی

اس وقت تک مندرجہ ذیل کتابیں سلسلہ تصانیف حالی پر چھپ چکی ہیں

۱۔ مولود شریف۔ یہ کتاب پہلے کسی نہیں چھپی۔ اسکا مکمل اور بجا مسودہ مولانا مرحوم کا دستخطی صاف کیا ہوا حال ہی میں دستیاب ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عظمت اور محبت مولانا مرحوم کے دلیں تھی وہ اس کے ایک ایک لفظ سے مترشح ہوتی ہے۔ نئے خیالات کے لوگ اسکو دلچسپ پائیں گے۔ خاص کر پڑانے خیالات کے مسلمان غالباً اس کو زیادہ پسند کریں گے۔ کسی مسلمان کا گھر اس سے خالی نہونا چاہیے۔ ۵۸ صفحہ قیمت ۲

۲۔ مجالس النساء (ہر دو حصہ) مولانا مرحوم کی اولین تصنیف جس میں لڑکیوں

۳۷  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
وَضَعَا عَلٰی جَبِیْہِ الْکَرِیْمِ  
۲ - ۳

# پہلی مجلس

آتوچی کے ساتھ عمودہ بیگم اور اُس کی ماں اور  
مریم زمانی بیگم کی گفتگو

م۔ ب۔ آتوچی! آداب

آ۔ برخوردار بوڑھ سہاگن بیگم۔ یہ تمہارے ساتھ اور کون ہیں؟

م۔ ب۔ ہیں آتوچی! آپ نہیں جانتیں؟ میری بہنیں ہیں

آ۔ اے کون ہیں مریم زمانی؟

لہ آستانی جی۔

لہ داماد ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ بڑھاپے تک تم بیوہ نہ ہو۔

م۔ ز۔ حضرت! بندگی۔  
 آ۔ بھلا بیٹا بہت سی عمر۔ میاں بیے۔ بچے جنیں۔ بوا!  
 تم کہاں؟

م۔ ز۔ جی میں ابھی آ کے اُتری ہوں۔  
 آ۔ آؤ بیوی بیٹھ جاؤ۔ کہو مزاج تو اچھا ہے؟  
 م۔ ز۔ حضرت! خدا کا شکر ہے۔

آ۔ بچے اچھے ہیں؟  
 م۔ ز۔ سب آپ کو دُعا کرتے ہیں۔  
 آ۔ مرزا پاس سے خط پتر آتا ہے؟

م۔ ز۔ جی ہاں دسویں پندرھویں آتا رہتا ہے۔  
 آ۔ احمد مرزا کو مکتب میں بٹھا دیا؟

م۔ ز۔ جی مکتب میں بیٹھے تو اُسے بہت دن ہوئے  
 آ۔ بوا! اللہ رکھو اب اُس کی کیا عمر ہوگی؟

م۔ ز۔ جی اُسے چاند دیکھے اُن گنا برس لگے گا۔

آ۔ بھلا بوا! خدا کرے تمہاری کوکھ ٹھنڈی رہے تمہیل پنے  
 بچہ کی نوشیاں دیکھنی نصیب ہوں! اہمالتہ رکھو فائدہ ہی اردو کے حوف

خاصی طرح اٹھانے لگا ہوگا؟

م۔ ز۔ آتوجی! خدا خدا کرو۔ ابھی اُس کی عمر ہی کیا ہے  
فارسی اردو تو درکنار رہی ابھی تو اُس نے قاعدہ بغدادی  
بھی ختم نہیں کیا۔

آ۔ بوا کیا سبب؟

م۔ ز۔ حضرت آپ جانتی ہیں ملا کا پڑھانا ایسا ہی ہوتا ہے

آ۔ ہاں بی سچ کہتی ہو۔ بیگم! تم نے کیا کیا پڑھا ہے؟

م۔ ز۔ حضرت! کچھ پڑھا ہو تو بتاؤں۔

آ۔ ہے ہے لوگو! اشراف زاد یوں نے کیسا پڑھنا لکھنا عھوڑ دیا۔

کیسی ان گھروں پر جہالت چھا گئی۔ کیسا اٹا زمانہ آگیا۔ محمود بیگ ذرا

سوچنے کی بات ہے ہمارے ملک کے ہندو مسلمان جو اشراف کہلاتے ہیں

سب کے ہاں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ بی بی کو کچھ پڑھائیں یا نہ پڑھائیں

پر بی بی کو ضرور پڑھواتے ہیں۔ کیا غریب اور کیا امیر سر شخص اپنی بساط کے

موافق بی بی کی تعلیم میں ضرور کوشش کرتا ہے۔ پر میں نہیں جانتی اس ملک

کی برکت کہاں لڑ گئی؟ جب دیکھا یہی دیکھا کہ سنو میں سے دو چار بچے جو ایسے ہی

صاحب نصیب اور سونہار ہوئے وہ تو لکھ پڑھ کر کسی قابل ہو گئے اور باقی وہی کو دن

کے کوڈن رہے۔ ہاں اب اب کر کے سرکاری مدرسوں میں پڑھنا  
 لکھنا بیشک زیادہ ہو گیا ہے۔ پڑاؤ میت سی چیز وہاں بھی جمی جم  
 آتی ہے۔ کوئی یہ دیکھنے والا نہیں کہیاں بچوں کو ایک سا لکھنا پڑھنا  
 کیوں نہیں آتا؟ ان کی عادتیں کیوں نہیں سنورتیں؟ ان کو آدمیت  
 کیوں نہیں آتی؟ بہت کسی نے پوچھا۔ تو یہ کہدیا "میاں! اپنی اپنی  
 قسمت ہے۔ جسکے نصیب اچھے ہوئے وہ کچھ لے نکلا۔ جو بد نصیب ہوا  
 وہ رہ گیا" اے صاحب! وہ کون کم بخت ہو گا جو یہ نہ جانتا ہو گا؟  
 تم ایک دفعہ کہتے ہو۔ ہم سو بار کہتے ہیں کہ دنیا میں سارا ظہور نصیبوں کی  
 ہے۔ پڑاؤ اتنا تو سمجھو کہ جو آدمی نصیبوں ہی پر مبنی ہے اور کام کو کام  
 کے طور پر نہ کرے وہ اپنی مراد کو کیا خاک ٹہنچے گا؟ ہم توجہ جانیں کہ  
 پیاس میں کوئی پانی نہ پیے اور اُس کی پیاس آپ ہی آپ جاتی رہے  
 یا بھوک میں کوئی کھانا نہ کھائے اور اُس کا پیٹ خود بخود بھر جائے۔  
 کیوں بی! میں سچ کہتی ہوں یا جھوٹ؟

م۔ ب۔ حضرت! وہ کون امتی ہو گا جو ان باتوں کو جھوٹ کہدے گا۔  
 آ۔ بھلا صاحب! پھر وہ کیا بات ہے جو یہاں کے بچوں پر آدمیت کا

پر چھاواں نہیں پڑنے دیتی؟ بڑی بیگم یہ جو میں کے کہا تم نے بھی سنا؟

ب۔ ب۔ آتو جی! میں سب سن رہی ہوں۔

آ۔ بوا! تمھاری سمجھ میں بھی آتا ہے کہ یہ کب بھید ہے؟

ب۔ ب۔ آتو جی! میں تو پھر یہی کہوں گی کہ اپنی اپنی قسمت ہے

دوسرے یہ بھی بات ہے کہ سارے بچے ایک سے نہیں ہوتے۔ کوئی

غیرت والا ہوتا ہے جو ایک ذرا سی گھر کی کوساری عمر نہیں ٹھونتا۔ کوئی

ایسا بے غیرت ہوتا ہے کہ جتنا مارو۔ جتنا کٹو وہ دن بزدل چکنا گھڑا

ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کا ذہن اچھا ہے کسی کا بُرا ہے۔ کوئی

شوخی ہے کوئی غریب ہے۔ کوئی کھلنڈڑا ہے کوئی معنتی ہے۔

غرض خدا تعالیٰ نے جیسی طرح طرح کی مخلوق بنائی ہے ویسے ہی

طرح طرح کے نصیب وہ اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اس میں کسی کا

کچھ اجارا نہیں۔

آ۔ بوا یہ تو مانا۔ پڑھے ذرا اس بات کا جواب دو کہ یہ بھٹاوری کی

ملک کی ہے یا سارے زمانہ کا یہی حال ہے؟ وہ بھی تو ہمارے ہی

بھائی ہیں جن کے ملک میں مرد سے بیکے عورت تک اور بچے سے بیکے

بے غیرت

قسمت

بوڑھے تک کوئی پڑھنے کھنے سے خالی نہیں جسے دیکھو کتاب کا کثیراً۔  
 جسے دیکھو علم کا پتلا۔ کیا انکے ہاں سب ایک ہی سی قسمت یکے اترے ہیں؟  
 کیا ان کے بچے کند ذہن یا شوخ یا کھلندے ہوتے ہی نہیں؛ اے بوا  
 خدا خدا کرو۔ ذرا سمجھ کے بات کہو۔ تم اپنے جی میں کہو گی تو سہی کہ  
 بڑھا پے میں عورت کی عقل جاتی رہی ہے۔ پڑمجھ سے جو پوچھو تو ہے یوں  
 کہ خدا بیٹیوں کا بدلا لیتا ہے۔ ماں باپ نے یہ سمجھا تھا کہ بیٹیوں کی  
 کمائی میں تو ہمارا سا جھا ہے اور بیٹیوں سے ہم کو کچھ لانا نہیں۔ آؤ  
 جہاں تک ہو سکے بیٹیوں کی پڑھائیں جو کل کو ہمارے بھی کام آئے۔ خدا کو  
 یہ بات ناپسند آئی اُس نے بیٹیوں کو بیٹیوں سے بھی بدتر کر دیا۔  
 وہ تو عورت ہو کے اُن پڑھ رہی تھیں۔ یہ مرد ہو کے جاہل رہے۔  
**پ۔ پ۔** آتو جی! تم نے یہ تو میرے دل کی سی بات کہی  
 صاحب! میں تو اپنے خدا سے عہد کرتی ہوں جو میرے پوتا  
 پوتی جئے اور میرے جیتے جی اس قابل ہوئے تو خیر  
 لڑکے کو چاہیں اُس کے ماں باپ پڑھائیں چاہیں  
 نہ پڑھائیں بڑ لڑکی کو جہاں تک مجھ سے ہو سکیگا  
 اللہ تبارک و تعالیٰ آمین۔

میں اُن پڑھ نہیں رکھنے کی۔

آ۔ بڑی بیگم! تمہارا کدھر خیال ہے؛ میں نے تو ایک بات کہی تھی تم نے اسے سچ ہی جان لیا۔ کیا سچ مچ خدا بیٹیوں کا بدلا لیتا ہے؛ اے بوا! اُسکی ذات بڑی غفور الرحیم ہے۔ اگر وہ دُنیا میں ایسی ایسی باتوں کا بدلے تو دنیا کا ہیکو قائم رہے۔ لوگ بیٹیوں کو جان سے مار ڈالتے ہیں جب تو وہ اُن سے بدلا لیتا ہی نہیں جیسی ذرا ذرا سی باتوں کا کیا بدلا لینگا؛ ہاں ہر اتنا خوف ضرور ہے کہ وہ قیامت کے دن کہیں ہم سے یہ نہ پوچھ بیٹھے کہ تم نے بیٹیوں کو علم کی دولت سے کیوں محروم رکھا؛ اُنکو بیٹیوں کی برابر کیوں عزیز سمجھا؛ اُنکو دین کا رستہ کیوں نہ بتایا؛ اُنکو دنیا کی بُرائی بھلائی سے کیوں نہ خبردار کیا؛ ہم نے اُنکو اس لیے نہیں بنایا تھا کہ ماں باپ کے گھر کتے بلی کی طرح پرورش پائیں اور خاوند کے ہاں جا کر لونڈیوں کی طرح اپنے دن پورے کریں۔ جیسی بیخبر اور انجان دُنیا میں آئی ہیں ویسی ہی بیخبر اور انجان دُنیا سے چلی جائیں۔ نہ خدا کو پہچانیں نہ اپنی حقیقت کو سمجھیں۔ نہ دُنیا میں آئیے کچھ پھل پائیں۔ بلکہ ہم نے اُن کو اس لیے پیدا کیا تھا کہ وہ کمردوں کی طرح اپنی عقل سے

کچھ کام لیں اور اپنی آدھت سے کچھ فائدہ اٹھائیں۔ اپنی بُرائی  
 بھلائی کو سمجھیں۔ اپنی دُنیا اور آخرت سے خبردار ہوں۔ چھوٹے  
 بڑے کا حق پہچانیں۔ اولاد کو تربیت کریں۔ خاوندوں کا دل  
 ہاتھ میں رکھیں۔ بگڑے ہوئے گھر کو سنواریں۔ جس گھر بیاہی  
 جائیں وہاں ماں باپ کا نام زکشن کریں۔ سانسُسرور لی  
 آنکھ میں اولاد سے زیادہ عزیز ہوں۔ خاوند گھر کامیاں ہو تو وہ  
 گھر کی بیوی ہوں۔ گھر کی چار دیواری میں علم کی دُوربین اُن کی  
 آنکھ پر لگی ہو۔ کتاب اُن کی بہنیلی ہو۔ اور کاغذ۔ دوات۔ قلم اُنکی  
 سہیلیاں ہوں۔ افسوس کہ انہوں نے دُنیا کے سارے حق  
 ادا کیے بڑ دُنیا نے اُن کا کوئی حق ادا نہ کیا۔ جب تک ماں باپ کے  
 گھر کنواری رہیں جو کچھ انہوں نے بھلا دیا سو کھا لیا۔ جو کچھ پہنا دیا سو  
 پہن لیا۔ جہاں بیٹھنے کو کہا۔ وہاں بیٹھ گئیں۔ جہاں سونے کو کہا وہاں  
 سو رہیں۔ آنا گوندھنا۔ روٹی پکانی۔ مصالح پینا۔ ہانڈی چڑھانی  
 چرخہ کاتنا۔ روٹی تو منی۔ بھائی بہن کو رکھنا۔ ماں باپ کی خدمت  
 کرنی۔ غرض کسی بات سے جی نہ چرایا۔ کسی کام سے ناک چڑھانی  
 پھر جب بیاہی گئیں اور سُسرال میں پہنچیں تو وہاں اور ہی او۔

معائنے پیش آئے۔ کب ساس نفا ہیں۔ کل شد بیزا ہیں۔ دیولانی  
 کبھی سچے منہ سے بولتی ہی نہیں۔ جہاننی بات بات پر الجھتی ہے  
 خاوند کا مزاج کسی طرح لیا ہی نہیں جاتا۔ بچے الگ جان کو کھائے  
 جاتے ہیں۔ کسی کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ کسی کو نیلی کا غلّ ہے۔ کسی کو  
 کہانسی ہو رہی ہے۔ ایک کو کٹھ سے لگا رکھا ہے۔ دوسرا گود میں  
 پڑا ہے۔ تیسرا کمر سے لپٹا ہوا ہے۔ غرض کہ ایسی ایسی ہزاروں مصیبتیں  
 اٹھائیں پڑ منہ سے کبھی اُن کی اور اسی طرح اپنی زندگی کے  
 دن جوں توں کر کے کاٹ دیے۔ دُنیا نے اُن کے ساتھ یہ سلوک  
 کیا کہ جس دن پیدا ہوئیں سارا کنبایا تو بیٹے کی اُمید پر خوشیاں  
 منارہا تھا یا بیٹی کا نام سُنتے ہی ایک ایک کے منہ پر اُداسی چھا گئی  
 ماں باپ ہیں تو اُداس ہیں۔ بھائی بہن ہیں تو اُداس ہیں۔ خالہ۔  
 بہتی۔ نانی۔ دادی۔ اپنا۔ بیگانہ۔ آیا۔ گیا۔ جو سنتا ہے ٹھنڈی سانس  
 بھر کر رہ جاتا ہے۔ یوں ظاہر میں کوئی خوشی کی صورت بنا لے تو  
 کچھ کہی نہیں جاتی۔ پڑ خوشی سی چیز سو سو کو کس نہیں۔ پھر جب  
 برس ڈیرھ برس کی ہوئیں اور اپنی بھولی بھولی صورت اور پیاری  
 پیاری باتوں سے ایک ایک کا جی لہمائے لگیں تو اُمّاں۔ با وا۔

خالہ۔ پھپی کی ہامتا کچھ جوش میں آئی پر میٹوں کے برابر اب بھی  
 انکی جان عزیز نہ ہوئی۔ میٹوں کا نام غصہ میں بھی لینا تو اللہ آسین کر کے  
 لیا اور انکو پیار میں بھی پکارا تو موئی۔ مرنے جوگی۔ غارت گئی  
 کہ مکر پکارا۔ پھر جب ہوش سنبھالا اور اس قابل ہوئیں کہ ماں باپ  
 کی تربیت سے آدمی بنیں اور دین دنیا کی بُرائی بھلائی سے  
 خبردار ہوں تو ماں باپ نے اُن سے اپنی خدمت یعنی شروع کی  
 اور کوئی سلوک اُن کے ساتھ ایسا نہ کیا جس سے وہ اُن کی  
 احسان مند ہوتیں۔ پکانا۔ ریندھنا اُن کو اسیلے سکھایا کہ ماں  
 رکھنے کی ضرورت نہ ہو۔ سینا۔ پرونا انکو اسیلے بتایا کہ درزی مغلانی کو  
 اسلامی دینی نہ پڑے۔ چھٹی سے لیکر بسملہ تک اور سنگنی سے لیکر چوتھی  
 تک جتنی شادیاں کیں وہ اپنے نام کے لیے کیں۔ جہیز میں جو کچھ دیا  
 وہ دُنیا کے دکھاوے کو دیا۔ ایک پڑھنا لکھنا ایسی چیز تھا جو دُنیا  
 اور آخرت میں اُن کے کام آتا۔ سوماں باپ نے اُسکی ہوا تک لگنے دی  
 اور یہ سمجھا کہ اول تو اُنکے پڑھانے لکھانے سے ہلکو کچھ فائدہ نہیں۔  
 دوسرے یہ پڑھنے لکھنے میں رہیں گی تو گھر کے کام دھندے کون کریگا؟

پھر جب بیاہی گئیں اور ایک غیر شخص کے پالے پڑیں وہاں  
 میکے سے بھی زیادہ دکھ اٹھانے پڑے۔ ساری عمر کاٹنی تو درکنار  
 رہی وہاں ایک ایک گھڑی کاٹنی دشوار ہو گئی۔ سانس کو یا تو یہ  
 چاؤ لگ رہا تھا کہ کب ہو آئے اور کب بیٹے کا گھر آباد ہو۔ یا بچے  
 آتے ہی سو غیروں کی ایک غیر ہو گئی۔ نندوں کو یا تو آٹھ پہر  
 بھابی کے نام کی تہ تیغ تھی یا بھابی کی صورت سے بیزار ہو گئیں۔  
 خاوند کا دل بھی جیسا چاہیے ویسا نہ ملا۔ کیونکہ اول تو چودہ پندرہ  
 برس کی جان کو بیاہ کا ایسا چاؤ ہی کیا تھا؟ دوسرے ماں بہنوئی  
 نگاہ بیوی کی طرف سے پھری ہوئی دیکھی۔ آگے بیوی میں کوئی ایسا  
 جو ہر نہ پایا جو سب کو چھوڑ کر اسی کا ہوتہا۔ غرض بیگانی بیٹی کی  
 کسی نے خریداری نہ کی۔ اب رہی اولاد۔ سو جس ماں کی حقیقت  
 باپ کے گھر میں یہ ہوگی اُسکی عظمت۔ اُسکی بزرگی۔ اُسکا ادب اولاد کے  
 دل میں کیا خاک ہوگا؟ بڑی بیگم! یہ وہ باتیں ہیں جنکے تصور سے  
 کلیجہ مونہ کو آتا ہے۔ خیر ہماری تمہاری تو بہت سی گذر گئی اور  
 جو تھوڑی بہت رہی ہے وہ بھی بڑی بھلی طرح گذر رہی  
 لہ شوق لہ خیال لہ بے انتہا رنج ہوتا ہے۔

جائیگی پڑاس نئی تانٹی کا اللہ ہی بیلی ہے۔

ب۔ ب۔ آتوہی! یہ کون نہیں جانتا کہ پڑھنا لکھنا بڑی چیز ہے اور وہ ایسا کون کم بخت ہو گا جو اپنی اولاد کا بھلا نہ چاہتا ہو گا، ایک ادنیٰ بسنہاری کے دل سے پوچھو تو وہ بھی یہی چاہتی ہوگی کہ میری اولاد کو ساری خدائی کے ہنر آجائیں۔ پڑ میں تو صاف کہنے والی ہوں کہ غریب کے بچوں کو خدا ہی ہو جو پڑھنا لکھنا آئے، اور جس میں پیڑوں کی تو اور بھی مشکل ہے۔ ہاں جن کا خدا نے چار پیسے کا مقدور دے رکھا ہے وہ جو چاہیں سو کر گزریں۔

آ۔ بڑی بیگم! یہ تو شہر میں اللہ رکھو سیکڑوں کھاتے پتے بہت دور والے رہتے ہیں ہم نے تو ان کی بہو بیٹیوں کو کبھی جب دیکھا ان پڑھ ہی دیکھا۔ اے بوا! کیسی دولت اور کیسا مقدور، یہاں تو بھڑیا جلا تم نے ایک کام کیا۔ تمہاری دیکھا دیکھی میں نے کیا۔ میری ریس ہے اور چار جنیوں کو حوصلہ پیدا ہوا۔ اس طرح ہوتے ہوتے سارے شہر میں پھیل گیا۔ پھر کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ یہ کام دور پاریرا ہے یا بھلا ہے یا ہم سے ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا، چاہے لاکھ لاکھ

لے نسل نہ نگہبان نہ نقل نہ عورتوں

خاکت ہی کیوں نہ ہو جائے جس طرح ہو اُس کام کو کرنا۔ آخر تم  
 بھی تو دیکھتی ہو بیاہ شادی تیج نہوار میں جو خرچ بندھے ہوئے ہیں  
 وہ سب کو کرنے ہی پڑتے ہیں۔ امیر ہوا اُس نے اپنے مقدور کے  
 موافق کیا۔ غریب ہوا اُس نے اپنی بساط کے موافق کیا۔ تم نے  
 یہ کبھی نہ دیکھا ہو گا کہ کسی غریب سے غریب بھائی نے بیٹی کو ایک  
 شربت کے پیالہ یا چار چھواروں پر رخصت کر دیا ہو؟ یا کسی منگھس سے  
 منگھس گھر میں شب برات کی چودھویں کو حلوانہ بنا ہو۔ جب ان وہی  
 تباہی باتوں کی لوگوں کو اتنی بیچ تھ ہے تو اچھی باتوں کی کیوں نہ ہوگی؟  
 آج شہر میں اتنی بات ہو جائے کہ لوگ بیٹیوں کے ان پڑھ رکھنے کو  
 عیب جانتے لگیں پھر دیکھوں وہ کونسا گھر ہے جس میں لڑکیاں نہیں پڑھتی؟  
 جو محتاج سے محتاج ہو گا وہ بھی بیٹی کو چار حرف ضرور پڑھوائیگا۔  
 اور یوں اب ساری مشکلیں ایسی معلوم ہوتی ہیں پیچھے سب آسان  
 ہو جائیں گی۔ جہاں قوم کی ساری لڑکیاں ایک دفعہ پڑھ گئیں پھر  
 وہ اپنی اولاد کو آپ تعلیم کر لیا کریں گی

**ب۔ ب۔ آتو بی! خدا خدا کرو۔ لڑکیاں ماؤں ہی سے تو**

لہ مالی حالت لہ فضول۔ بیکار لہ طرفداری

پڑھیں گی اور بھی کسی سے نہیں۔ اول تو ماں غریب کو گھر کے  
 دھندوں سے اتنی فرصت ہی کہاں ملیگی جو صاحبزادی کو بیٹھ کر  
 سبق پڑھائے؟ اور جو اُس نے دس کام چھوڑ کر پڑھایا بھی تو بیٹی کو  
 اثر کیا خاک ہوگا؟ بچوں کی پڑھنا لکھنا سارا دباغت کا ہوتا ہے  
 سو دباغت سی چیز یہاں کیوں ہونی ہے؟ ماں کا ہاتھ لاڈلی بیٹی پر  
 کیوں اٹھنا ہے؟ ماں کا ڈر جلاؤ استانی کی برابر کیوں ہونا ہے  
 غرض ہر پہن کر پھر استانی ہی کے سپرد کرنا پڑے گا اور جب  
 استانی رکھنی پڑی تو غریب گھروں کی لڑکیاں پھرہ جائیں گی۔  
 آ۔ بڑی سلیم! تم نے یہ کیا کہا؟ اسے بوا بچوں کی مائیں اگر  
 اس قابل ہوں کہ اپنے بچوں کو آپ تعلیم کر لیا کریں تو اس ملک کے  
 دن ہی نہ پھر جائیں۔ شاید تم نے یہ نہیں سنا کہ فرنگیوں کے ملک میں  
 جو ان پڑھ آدمی کہیں نام کو ڈھونڈا نہیں ملتا اسکا کیا سبب ہے؟  
 کیا وہاں لکھے پڑھے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں یا انکو  
 کسی فقیر کی دعا ہے کہ جہاں بچہ نے ہوش سنبھالا اور خود بخود اُسکا  
 رسم کھل گیا؟ کچھ بھی نہیں نقطہ یہ بات ہے کہ ان کے ہاں لڑکیوں

لہ خوف۔ رعب سے بے رحم سے دل۔ حوصلہ

کے پڑھانیکا دستور قدیم سے چلا آتا ہے۔ وہی لڑکیاں جب  
 بیابھی گئیں اور صاحبِ اولاد ہوئیں انہوں نے اپنی اولاد کو آپ  
 تعلیم کرنا شروع کیا۔ یہی تو بات ہے جو ان کے ہاں عورتوں میں  
 عورتیں اور مردوں میں مرد سب ایک سانچے کے ڈھلے ہوئے  
 ہوتے ہیں۔ تم تو ایک بیٹیوں ہی کو کہتی ہو میرے نزدیک بیٹا کیا  
 اور بیٹی کیا بغیر ماں کی تعلیم کے کسی کو آدمیت نہیں آسکتی۔ لوگ  
 یہ جانتے ہیں کہ الف۔ بے۔ تے اور کسٹھیا۔ خالق باسری  
 پڑھانا ایسا کہاں کا بڑا کام ہے۔ جس ملامدّرس سے کہیں گے  
 وہی بچہ کو چار حرف بتا دیگا۔ بوا! یہ بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔  
 باغبانی میں سب سے زیادہ درختوں کی پود لگانا مشکل ہے۔ اگر مالی  
 ہاتھ کا سچا نہ ہوگا کبھی اُس کے ہاتھ کا پودا پروان نہیں چڑھنے کا  
 اسطرح پڑھانے میں پڑھانا بچوں کا مشکل ہے۔ اگر بچوں کا استاد  
 کامل نہ ہوگا کبھی اُنکو پڑھنا لکھنا نہیں آئیگا۔ بچہ کو ایسا سمجھو جیسے  
 ترت کی ٹوٹی گیلی لکڑی۔ اس وقت تو اُس میں ایک پوچ ہے  
 جس طرح موڑو گے مڑ جائیگی۔ اگر تمکو یہ منظور ہے کہ وہ سیدھی اور سیدھی ہو جائے  
 لہٰذا اسے فاضلی کی ابتدائی کتابیں سہ نہیں پڑھیگا۔ پھلے پھولے گی نہیں۔

تو کسی کاریگر کے حوالے کرو تا کہ خوب جانچ کر اُس کے بطن نکال دے  
 نہیں تو اب کوئی دن میں اُس کا سارا لوج جاتا رہے گا۔ پھر  
 قیامت تک سیدھی نہیں ہونگی۔ جو کسی نے زیادہ زور کیا ٹوٹ  
 جائے گی۔ بچوں کے معلم میں ایک یہی بات نہیں دیکھی جانی کہ اُسکو  
 علم کیسا ہے؟ بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اُس کی عادتیں کیسی ہیں؟  
 اُس کا مزاج کیسا ہے؟ بچوں کو دوسوزی سے پڑھاتا ہے یا نہیں؟  
 بچوں کا مزاج پہچانتا ہے یا نہیں؟ اگر اُس تاد کی عادتیں اچھی ہونگی  
 شاگردوں کی عادتیں اُس سے بدتر ہو جائیں گی۔ اگر اُس تاد کا مزاج  
 اچھا نہ ہو گا شاگرد اُس کے نام سے سوسو کو سبھاگیں گے۔ اگر  
 اُس تاد بچوں کو دوسوزی سے نہ پڑھائے گا کبھی اُن کو ایک حرف نہیں  
 آئیگا۔ اگر اُس تاد بچوں کا مزاج داں نہ ہو گا سب کو ایک لاشی ہانکنا  
 شروع کرے گا۔ اسی واسطے اگلے لوگوں نے کہا ہے کہ بچے کا پڑھانا  
 ایسا ہے جیسے بیمار کا علاج کرنا۔ جطرح طبیب کو بیمار کا مزاج پہچاننا  
 فرض ہے اسی طرح معلم کو بچے کا مزاج داں ہونا ضرور ہے۔ سو ایسا  
 اُس تاد تو بوا شاید امیروں کو بھی نصیوں ہی سے پتا ہوگا۔ اگر ایسے  
 ہی اُس تاد کی تلاش میں رہے تو بچے کا ہیکو پڑھنا ہے۔ نہ فون تیل

ہوگا نہ رادھانا چکی۔ اور جو پانچواں برس لگتے ہی مکتب میں شہاد دیا تو  
 بچہ کو دو نو جہان سے کھو دیا۔ پہلے ہی روز وہ دن بھر کی قید سے  
 ایسا گھبرا جائے گا کہ دوسرے دن اُسے مکتب کے نام سے جاڑا  
 چڑھے گا۔ جب تک دو چار نکلے۔ دو چار لائیں نہ کھالیکا مکتب کی  
 طرف کسی رخ نہیں کرنے کا۔ پھر جب روتا جھینکتا مکتب میں پہنچا  
 اور استاد نے دیکھا کہ لڑکا اس روپ سے آیا ہے اس نے اٹھ کر  
 روئی کی طرح دھنا شروع کیا۔ پہلے دن تو وہاں اُس کا جی ہی  
 گھبراتا تھا اب موت نظر آنے لگی۔ کیسا پڑھنا اور کیسا لکھنا؛ اب تو  
 اس کو یہ تو لگی ہوئی ہے کہ کب شام ہو اور کب اس بلا سے  
 چھوٹوں۔ جب شام ہوئی تو چھٹی لے کر گھر آئے۔ دو چار گھڑی  
 کیلے کودے۔ ابھی کھیل کود سے فرست نہ پائی تھی کہ پھر کل کی  
 فکر سر پر چڑھی۔ دن اُس مصیبت سے گندہ رات اس اُدھیڑ بن  
 میں گئی۔ اب دم بہ دم اُس کا لہو سوکھنا شروع ہوا۔ بچہ کی  
 کیا بساط؟ دسی دن میں سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ سو بسوے تو یہ  
 آثار بڑھنے کے معلوم نہیں ہوتے اور جو سنو میں ایک دولہ کا

پڑھ لکھ کر کسی قابل بھی ہوا تو کس کام کا؟ دل - دماغ - ذور طاقت  
 ذہن - حافظہ - جو کچھ اُس کی گِرہ میں تھا سب مکتب کے سرمدقہ ہوا  
 بھلا ایسا شخص اپنے علم سے کیا خاک فائدہ اٹھا سکتا؟ غرض مکتب  
 میں بٹھایا تو اور نہ بٹھایا تو ہر طرح سے بچوں کی مٹی خراب ہے  
 ہاں مگر اُن کے ماں باپ پڑے لکھے ہوں اور علم کی قدر پہچانتے  
 ہوں اور اولاد کے اُن پڑھ رہے کا جو انجام ہے اُسے خوب جانتے  
 ہوں تو بیشک وہ جو چاہیں سو کر گزریں - لیکن پھر جو پوچھو تو باپ سے  
 بھی یہ بوجھ نہیں اُٹھ سکتا - اُس کو باہر کے دہندوں سے اتنی  
 فرصت کہاں جو صبح سے شام تک بچے کی ایک ایک بات نگاہیں  
 رکھے؟ یہ تو ہونو پھر اپنی ماں ہی سے ہو سکتا ہے - جس کے  
 کوسنے کو بچہ اُوروں کے پیار سے اچھا جانتا ہے - جس کی مار کو  
 اُوروں کی چمکار سے بہتر سمجھتا ہے - دن بھر جس کی نگاہ کے  
 سامنے رہتا ہے - رات بھر جس کے پہلو سے جدا نہیں ہوتا - بھوک  
 لگتی ہے تو روٹی اور پیاس لگتی ہے تو پانی اُس کے سوا کسی سے  
 نہیں مانگتا - دنیا میں اپنا غمخوار اور خریدار اُس کے سوا کسی کو نہیں  
 دیکھتا - دکھ دزد میں پکارتا ہے تو اُسے پکارتا ہے - خوف کے وقت

یاد کرتا ہے تو اُسے یاد کرتا ہی۔ عرض جو لگاؤ بچہ کو ماں کے  
 ساتھ یا ماں کو بچہ کے ساتھ ہوتا ہے سداہ دنیا میں کسی کو  
 کسی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اب اگر ماں کو اتنا سلیقہ اور سچا  
 کہ وہ اس خدا کی دی ہوئی اُلفت کو لاڈ اور پیار میں بہرہ باد  
 نہ کرے بلکہ ایسی باتوں میں صرف کرے جو اولاد کے حق میں  
 فائدہ مند ہوں تو خدا کی ذات سے اُمید تو یہ ہے کہ ماں بچہ کے  
 حق میں ایک رحمت کا فرشتہ ہو جائے اور اُس کی صحبت  
 بچہ کو ماں کا دودھ ہو کر لگے۔ جب اس طرح دو چار برس ماں  
 کی صحبت میں رہ چکا اور ہر ایک بات کا ادب قاعدہ سمجھ چکا  
 اور علم کی باتوں سے بھی کچھ کچھ آشنا ہو گیا اور ماں سورات  
 دن سنتے سنتے یہ بھی جان گیا کہ علم کے برابر کوئی دولت  
 نہیں ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر مقید رہنے کا بھی مزاج کم لیا  
 اور سبق پڑھنے اور یاد کرنے کی بھی عادت پکڑ چکا۔ اور  
 آہستہ آہستہ کھیل کود کا بھی شوق کم ہو گیا۔ اب اُس کی  
 مثال ایسی ہے جیسے چراغ میں تیل تپتی سب کچھ موجود ہے  
 فقط آگ لگانے کی دیر ہے۔ یا مکھن کی نیو قائم

ہو چکی ہے صرف دیوار اٹھانی باقی ہے۔ جس طرح کاتب  
 پہلے کاغذ پر مسطر کر لیتا ہے اور پھر لکھنے بیٹھتا ہے تو ہمیں  
 اُس کی قلم نہیں بہکتی اسی طرح اب جو استاد اُسے تعلیم  
 کرے گا اُس کو وقت اٹھانی نہ پڑے گی۔ جو کام پہلے مار  
 پیٹ سے نکلنا مشکل تھا اب اشاروں میں نکلیگا۔ جو بات  
 پہلے برسوں میں آنی دشوار تھی وہ اب گھڑیوں میں آئے گی  
 استاد کی محبت کبھی برباد نہ ہوگی۔ جسکے سامنے کتاب کھولکر  
 جا بیٹھیاگا وہ خوشی خوشی پڑھانے کو موجود ہو جائیگا۔ بڑی بیگم  
 یہ جو کچھ میں نے کہا بس اسے سچ ہی جاننا۔ پہلے میں بھی تمہاری  
 طرح یہی کہا کرتی تھی کہ بچے کو جہاں پانچواں برس لگا پھر اُس کا  
 گھر میں کچھ کام نہیں۔ جس طرح ہوسکے مکتبیاں بٹھا دینا چاہئے  
 پڑو ا میں نے تو جس دن سے ژبیدہ خاتون کا قصہ سنا  
 مجھ کو یقین آگیا کہ مکتب کا بس نام ہی نام سن لو۔ آتا و اتا وہاں  
 خاک نہیں۔ اور بہت دور کیوں جاتی ہو؟ یہ تو مریم زمانی بیگم  
 اب تمہارے سامنے ہی کہہ رہی تھیں کہ بچے کے دشمنوں کو  
 تین برس سے تلانے کشائی میں ڈال رکھا ہے۔ آج تک

قاعدہ بغدادی ختم ہونے میں نہیں آیا۔ کیوں تو  
 اگر آج کو یہ خود پڑھی ہوئی ہوتیں اور اپنے بچہ کو آپ تعلیم  
 کرتیں تو وہ اب تک تختیوں ہی میں پڑا جھولتا؟  
**ب۔ ب۔** مجھوہ! تم نے دیکھا آتو جی نے کیسا بات کو  
 مثال دیا؟

**م۔ ب۔** اماں جان! میں ان کی باتوں کو خوب سمجھتی  
 ہوں۔ بھلا یہاں مریم زمانی بیگم کا کیا ذکر تھا؟ کچھ نہیں  
 آتو جی یہ چاہتی ہیں کسی طرح وہ قصہ کہنا نہ پڑے ان کو اور  
 باتوں میں لگا لوں۔ میں تو اب جیسی اُنھوں کی جب وہ  
 قصہ سن توںگی۔

آ۔ بیٹا! تم بھی بڑی بیگم کے کہنے میں آگئیں۔ داری میں  
 تم کو ایک چھوڑ دس قصے سُنادوں گی۔ جاؤ اب تو اٹھ کے  
 نماز پڑھو۔ عصر کا وقت تنگ ہوا جاتا ہے۔ مجھے بھی نماز  
 پڑھنی ہے۔ خدا خیر رکھے تو کل کیسے وقت سُنا۔

**م۔ ب۔** آتو جی! اس وقت سُنادو گی تو کیا ہو جائیگا؟  
 آ۔ بیٹا! قصہ ہے یا کوئی نمونہ کا نوالہ ہے۔ تم تو اس وقت

کتنی ہو میرے نزدیک آٹھ دس دن میں بھی تمام ہو جائے  
تو نفعیت ہے۔

م۔ ب۔ اچھا پھر کل کو کس وقت کہو گی؟

آ۔ جس وقت تم کہو۔ پڑ میرے نزدیک رات کا وقت ہو  
تو بہتر ہے۔

م۔ ب۔ بہت اچھا۔ دیکھو کبھی کل کو بھی اسی طرح ٹال دو

آ۔ بیٹا! آتو کو جھوٹا جانتی ہو؟ غلط جمع رکھو خدا نے چاہا  
تو کل ضرور کہوں گی۔ جاؤ اب تو تم نماز پڑھو۔ کہیں وقت نہ  
جاتا رہے

# دوسری مجلس

آتوجی کا بیان

زیبیدہ حالتوں کا اکلوتا بیٹا سید عباس  
 کہتا ہے کہ دلی میں جو عاقل خاں کا کوچہ مشہور ہے۔ وہاں  
 رئیس زادوں میں دو بھائی تھے۔ اُن میں چھوٹے بھائی  
 جو میرے نانا تھے اُن کا نام خواجہ فضیل تھا اور بڑے  
 بھائی کا نام خواجہ کبیر۔ خواجہ کبیر کو میں نے نہیں دیکھا  
 سنا ہے کہ وہ تیس پینتیس برس کی عمر میں دلی سے لوکری  
 چھوڑ کر کہیں کو چلے گئے تھے۔ نانا جان کو اُن کی جدائی  
 کا بڑا داغ تھا۔ خدا تعالیٰ نے مال و دولت سب کچھ  
 دے رکھا تھا۔ شہر میں کرایہ کی آمدنی جَد اٹھی۔ چار  
 گاؤں جاگیر میں جَد اٹھے۔ دس آدمیوں پر حکومت بھی  
 رکھتے تھے۔ شہر کے چھوٹے بڑے سب تعظیم کرتے تھے

یہ سب کچھ تھا پر ایک بھائی کے نہ ہونے سے اُن کی نظر میں سب ہیچ تھا۔ مگر خدا کی عنایت سے نانی جان نہتا ذی شعور اور صاحبِ علم تھیں۔ وہ طرح طرح سے میاں کا غم غلط کرتی رہتی تھیں۔ جب تک گھر میں رہتے۔ بھائی کو بھولے رہتے۔ جب میری والدہ پیدا ہوئیں تو کچھ خیال اُن میں بٹا۔ آرزو تو یہ تھی کہ خدا بیٹا دے پرائے گا نے ایک بیٹی ایسی دی کہ سو بیٹے ایک طرف اور یہ بیٹی ایک طرف۔ نانا صاحب اور نانی صاحب دونوں اُن پر جانِ فد کرتے تھے۔ مگر دانا اور نادان کی محبت میں بڑا فرق ہے۔ دانا کی محبت ابتدا میں بہت کم ظاہر ہوتی ہے پڑ اُس کا انجام نہایت اچھا ہوتا ہے۔ اور نادان کی محبت کا آغاز تو بہت اچھا مگر انجام نہایت بُرا۔ بھنے آدمی بچوں کے گلاؤں سے ایک دم فرصت نہیں پاتے کبھی نونہ چوسنا۔ کبھی پیار کرنا۔ کبھی گلے لگانا۔ کبھی چھاتی پڑھانا۔ جو اُس نے کہا سو کہلا دیا۔ جو اُس نے مانگا سو دیدیا ایسی باتوں کا انجام اکثر یہ ہوتا ہے کہ بچے کے دل میں اُنکی

دہشت نہیں رہتی۔ گستاخ ہو جاتا ہے۔ کنا نہیں مانتا  
 یوں ہوش سنبھال کر وہ اپنی طبیعت کی نیکی سے آدمی بچائے  
 تو کچھ کمی نہیں جاتی پر ماں باپ اس کی ابتدا بیشک  
 بگاڑ چکے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ بچہ کو پیار کرنا ایسا ہے  
 جیسے کھیتی کو پانی دینا۔ جس طرح پانی کی طغیانی کھیتی کو  
 نقصان پہنچاتی ہے۔ اسی طرح حد سے زیادہ پیار بچہ کو  
 خراب کر دیتا ہے۔ جو لوگ عقلمند ہیں اور ہر ایک بات کا  
 انجام پہلے سے سوچ لیتے ہیں جو وقت اُن کے دل میں محبت  
 کا جوش آتا ہے وہ آپے سے باہر نہیں ہو جاتے۔ بچہ کو  
 اگر پیار کرتے ہیں تو اس قدر کرتے ہیں کہ وہ اُن کو اپنا مہرتی  
 سمجھتا رہے۔ کھلانے پہنانے میں اُس کے نفع نقصان کا  
 خیال رکھتے ہیں۔ جو چیز اُس کی صحت میں خلل ڈالے  
 اُس کے پاس نہیں جانے دیتے۔ جس بات سے اُسکی  
 عادت بگڑے اُس کی پرچھائیں نہیں پڑنے دیتے جب  
 تک بچہ پانچ سات برس کا نہیں ہوتا اپنے نفع نقصان  
 کو بالکل نہیں سمجھتا۔ آگ۔ پانی۔ زہر۔ تریاق اُسکے نزدیک

سب ایک ہے۔ اور اچھی طرح اپنی برائی بھلائی تو جی  
 سمجھے گا جب جوان ہوگا۔ اسی لیے جو لوگ حقیقت میں اپنی  
 اولاد کے خیر خواہ ہیں وہ کبھی اُن کا کنا نہیں کرتے۔ کبھی تسلی  
 اور دلاسا دے کر ٹال دیتے ہیں۔ کبھی دھمکا کر ڈرا دیتے  
 ہیں۔ کبھی مار کر سمجھا دیتے ہیں۔ غرض میری مخدومہ کو  
 خدا تعالیٰ نے جیسا ہونہار پیدا کیا تھا ویسے ہی اُن کو  
 ماں باپ ملے۔ انہوں نے اپنی ساری چاہت اور محبت  
 اُنکی طبیعت کی دُرستی میں صرف کی۔

یہاں ایک بات سننے کے قابل ہے۔ جب میری  
 والدہ پیدا ہوئیں تو نانی صاحبہ کو انا کی تلاش ہوئی۔ ایک  
 دن اُنہوں نے میاں سے بھی کہا کہ کہیں انا ملے تو نوکر  
 رکھنی چاہئے۔ نانا جان نے کہا سُنو صاحب! انا ملنی  
 کچھ مشکل نہیں۔ اسوقت دس عورتیں آسکتی ہیں مگر  
 جیسی میں چاہتا ہوں جب تک ویسی عورت نہ ملے گی میں  
 ہرگز نوکر نہیں رکھنے کا۔ میں نے کتابوں میں بھی لکھا  
 دیکھا ہے اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ دودھ پلانیوالی

کی خصلتیں بچہ میں ضرور اثر کرتی ہیں۔ تمہارے کہنے پر  
 کچھ موقوف نہیں مجھے انا کی خود تلاش ہے۔ کچھ نہیں تو  
 انا میں یہ دو باتیں ہونی بہت ضرور ہیں۔ اول تو قوم سے  
 شریف ہو۔ دوسرے خوش مزاج اور غیرت دار ہو۔ تم بھی  
 تلاش میں رہو۔ یہ جو باہر کی پھرنے والیاں آتی ہیں ان سے  
 کہدو کہ ایسی عورت ملے تو نوکر رکھو ادیں۔ دس روپیہ مہینہ  
 دینے کو میں سوچو ہوں۔ غرض کہانتک بیان کروں چھ  
 مہینے تک نانی صاحبہ خود دودھ پلاتی رہیں۔ اس عرصہ  
 میں عورتیں بہت سی آئیں مگر جیسی وہ چاہتے تھے ویسی  
 مننی ذرا مشکل تھی۔ آخر چھ مہینے کے بعد انا حسینہ خاتم  
 کو نوکر رکھا۔ اُنکی زیادہ تعریف کرنی تو فضول ہے مگر  
 اتنا جانتا ہوں کہ یہ میری والدہ کی خوش نصیبی تھی کہ حسینہ خاتم  
 سی شخص اُن کے دودھ پلانے پر نوکر ہوئیں۔ نانی صاحبہ  
 اُنکی کمال خاطر داری کرتی تھیں۔ جو آپ کھاتیں وہی  
 اُنکو کھلاتیں۔ جو آپ پہنتیں وہی اُن کے لیے بنواتیں  
 جو کپڑا میری والدہ کے لیے بنتا اُس کے ساتھ کا اُن کے

کو کا کے لیے پہلے بنتا۔ آخروہ بھی انہیں کی ہو رہی سیاری  
 عمر اسی گھر میں کاٹ دی۔ ایک دن حسینہ خانم میری  
 مخدومہ سے ملنے کو آئی تھیں۔ خدا جانے کیا بات تھی  
 اُس پر مجھ سے کہنے لگیں کہ جس طرح تمہاری نانی صاحبہ  
 نے تمہاری اماں جان کو پرورش کیا کوئی کیا کرے گا  
 میاں میری جو اس قدر خاطر تھی یہ تمہاری ماں ہی کا صدقہ  
 تھا۔ نہیں تو میری بہنیں تین ہزار پھرتی ہیں۔ کوئی  
 پوچھتا بھی نہیں (میری مخدومہ کا نام تو زبیدہ خاتون  
 تھا مگر انا انکو بی زبیدہ کہہ لپکارتی تھیں) وہ مجھ سے یہ  
 باتیں ہی کر رہی تھیں کہ والدہ صاحبہ چلی آئیں۔ اتانے  
 کہا بی زبیدہ! تم کو وہ بچپن کے کہلو نے تو کیا یاد ہونگے  
 انہوں نے کہا۔ کیوں بی! یاد کیوں نہیں؟ میری عمر خاصی  
 چھ سات برس کی ہوگی جب تک تو میں اُن سے کھیلتی  
 ہی تھی۔ میں نے کہا اماں جان! یہی مٹی کے ہاتھی گھوڑے  
 ہوں گے؟ انہوں نے کہا۔ نہیں بیٹا! مٹی کے نہیں کپڑے  
 کے تھے۔ ہمارے ہاں جو مغلانی نوکر تھی وہ سینے پر اونے

کے کام میں نہایت ہوشیار تھی۔ اماں جان نے اُس سے  
 میرے لیے کپڑے کے کملو نے رسلو کر اُن پر رُوغن  
 پھروا دیا تھا۔ مگر اُن کے نام ہی بڑا لے تھے۔ جو بہت  
 بُری صورت کے تھے اور اُن کے دیکھنے سے نفرت آتی  
 تھی اُن میں کسی کا نام تو عَصَمہ تھا۔ کسی کا نام بدزبان  
 کسی کا نام غنیت۔ کسی کا نام جھوٹ۔ کسی کا نام شوخی  
 کسی کا نام لُترمی۔ کسی کا نام پھوڑ۔ کسی کا نام ہٹ  
 کسی کا نام زبان دراز۔ کسی کا نام کام چور۔  
 کسی کا نام مُستی۔ کسی کا نام کاہلی۔ انہیں میں ایک  
 کملونا دو پچھلپا یوں کی شکل کا تھا اُس کا نام لڑائی جھگڑا  
 تھا۔ اُس کی صورت سے صاف یہ معلوم ہوتا تھا کہ  
 دو بھتیجاں لڑ رہی ہیں۔ اسکے جھونٹے اُسکے ہاتھ میں  
 ہیں اُسکے جھونٹے اسکے ہاتھ میں۔ اور ایک گھوڑا بھی  
 انہیں میں تھا۔ اُسکی عجب صورت تھی۔ پٹی پٹی آنکھیں  
 بیبانک صورت۔ بال بکھرے ہوئے۔ زبان باہر کو  
 نکلی ہوئی۔ اُس میں ایک کل لگی ہوئی تھی۔ جہاں اُسے دبایا  
 تھے۔

اور وہ بھاگا۔ دو گز تک تو وہ ایسا جاتا جیسے ناوک کا  
 تیر اور پھر مونہ کے بل گر کر لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ اُس کا نام  
 جلد باز تھا۔ اور جن کی صورتیں اچھی تھیں انہیں کسیکا  
 نام تو حیا تھا۔ کسیکا نام غیرت۔ کسیکا نام سلیقہ  
 کسیکا نام سُتھرائی۔ کسیکا نام پارسائی۔ کسیکا  
 نام تھل۔ کسیکا نام صبر۔ کسیکا نام قناعت۔ کسیکا  
 نام سلوٹ۔ کسیکا نام ملاپ۔ کسیکا نام فرما بزدار  
 انہیں میں ایک کھلونا ہرن کی صورت کا تھا۔ اُس کے  
 تیسرے صاف یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب اُڑ جائے گا۔  
 اُس کا نام چستی تھا۔ اور انہیں میں ایک نہایت  
 خوبصورت پری تھی۔ وہ ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے  
 کوئی سکرانا ہو۔ اور بے اختیار یہ جی چاہتا تھا کہ اسے  
 دیکھے جائے۔ اُس کا نام ہنس مکھ تھا۔  
 میں نے کہا اماں جان! نانی اماں نے یہ کھلوانے  
 کیوں بنوائے تھے؟ انہوں نے کہا۔ بیٹا! یہ اس لیے  
 بنوائے تھے کہ مجھے بُری باتوں سے نفرت ہو جائے

اور نیک عادتیں اختیار کروں۔ میں نے کہا۔ پھر آپ کو  
 ان سے کچھ فائدہ بھی معلوم ہوا؟ کہا۔ میاں! اور تو  
 کیا فائدہ ہوتا ہاں پڑ اتنی بات ضرور ہے کہ آج تک انکی  
 صورتیں میرے دل سے نہیں ٹھولیں۔ جب کوئی کسی پر  
 غصہ ہوتا ہے تو وہی کہلونا جب کا نام غصہ تھا اس کی صورت  
 میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ یا جب دو عورتیں  
 آپس میں لڑتی جھگڑتی ہیں تو انہیں دو پچھلپائیوں کی شکل  
 میرے روبرو آن کھڑی ہوتی ہے۔ یا جب کوئی کچھ  
 کام بولا یا ہوا کرتا ہے تو اسی گھوڑے کی تصویر میرے  
 آگے آجاتی ہے۔ اسی طرح اور ساری باتوں کو  
 سمجھ لو۔ پھر فرمانے لگیں بیٹا! ایک اسی بات پر کیا  
 موقوف ہے اماں جان مجھے نئی نئی طرح سے تربیت  
 کرتی تھیں۔ اگر میں کسی قابل ہوتی تو انکی صحبت میں  
 آدمی بن جاتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میری بسملہ ہو چکی  
 تو اماں جان نے سب سے پہلے مجھ کو نماز کی ڈھائیں  
 اور نماز پڑھنے کے قاعدے سکھائے۔ جب یہ مجھے

خوب یاد ہو گئے تو نماز پر کھڑا کیا۔ دس پندرہ دن  
 تک اپنے سامنے نماز پڑھواتی رہیں۔ پھر جب فرصت  
 ہوتی مجھے لے بیٹھتیں۔ اور طرح طرح سے خدا کا خوف  
 میرے دل میں بٹھاتیں۔ اور یہ کہتیں کہ بیٹا! خدا تعالیٰ  
 ہر وقت اور ہر گھڑی ہمارے پاس اور ہمارے ساتھ  
 ہے۔ ہمارا جو کام ہے وہ دیکھتا ہے۔ ہماری جو بات  
 ہے وہ سنتا ہے۔ اگر سات پردوں میں کوئی جا کر  
 چھپے خدا کے سامنے ایسا ہے جیسے میں اور تم۔ دیکھو  
 جس بات کو ہم منع کیا کریں کبھی اُس کے پاس نہ جانا۔  
 نہ ہمارے سامنے نہ ہمارے پیچھے۔ ہم نہیں دیکھتے تو  
 خدا ضرور دیکھتا ہے۔ اس کے سوا کھانا پینا۔ اٹھنا  
 بیٹھنا۔ چلنا پھرنا۔ بات کرنی۔ بات سُنی۔ بڑوں کی  
 تعظیم۔ بزرگوں کا لحاظ۔ سب باتوں کے ادب قاعدے  
 سکھاتی رہتیں۔ اور نوکروں کے پاس بیٹھنا۔ چلا کر  
 بولنا۔ دوڑ کر چلنا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات  
 کرنی۔ قہقہہ مار کر سُنا۔ ہر وقت کھلے سر رہنا۔

بے ضرورت کوٹھے پر چڑھنا۔ ایسی ایسی باتوں سے  
 روکتیں اور ہر بات کی اس قدر روک ٹوک رکھیں  
 کہ وہ اُنکی تنبیہ اور تاکید عمر بھر نہ بھولوں گی۔ میاں  
 اسی سبب سے تو بچپن کی باتیں مجھے آج تک یاد ہیں  
 نہیں تو پانچ برس کی بھی کچھ عمر ہوتی ہے۔ اُس عمر  
 کی باتیں اب تک کیونکر یاد رہتیں۔ اُنکی بہتری باتیں  
 ایسی تھیں کہ اُن سے مجھے خود بخود نصیحت ہوتی رہتی  
 تھی۔ جب میری عمر دس بارہ برس کی ہوئی تب  
 میں نے جانا کہ یہ باتیں اماں جان میری نصیحت کے  
 لیے کیا کرتی تھیں۔ کہلو نوں کا حال تو تم سن ہی چکے  
 بھلا اُس عمر میں مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ کہلو نے میری  
 تربیت کے لیے ہیں؟ اسکے سوا جب کسی نوکر سے کوئی  
 خطا ہو جاتی اور اُن کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اُس نے جان  
 بوجھ کر یہ خطا کی ہے تو اس کو میرے سامنے دھمکاتیں  
 اور اس قدر بُرا بھلا کہتیں کہ میرے کان کھڑے ہو جاتے

۱۰ میں خیر دار ہو جاتی۔

اگر کسی بات میں کچھ جھوٹ معلوم ہو جاتا تو میرے  
 سامنے اُس پر لے دے کرتیں۔ اور یہ کہتیں سنا صاحب!  
 جھوٹ میری چڑ ہے۔ مجھے جھوٹ اپنی اولاد کا بھی  
 نہیں بھاتا۔ اب کے تو بولیں سو بولیں اگر پھر تمہارا  
 جھوٹ ثابت ہوا تو میرے ہاں آپ کا کچھ کام نہیں۔  
 اور جب کسی سے کچھ خطا ہو جاتی اور وہ اُن کر سچ  
 سچ کہدیتی تو اُس سے ایسی ناراض نہ ہوتیں اور کہتیں  
 کہ تم نے جو سچ بولا اسلئے تمہارا قصور معاف کیا۔  
 جب کوئی گھر میں آنکر کسی بچہ کی شوخی یا شہارت کا  
 حال کہتا تو میرے مونہ پر یوں کہتیں ”اگر ایسا میرا بچہ ہو  
 تو مونے کا مونہ مجلس دوں۔“ بعض دفعہ صرف میری  
 نصیحت کے لیے اپنے اوپر تکلیف گوارا کرتیں پر اپنی  
 عادت نہ چھوڑتیں۔ مثلاً اُن کا جی ماندا ہے اور کوئی بڑی  
 بوڑھی اُن کی خبر کو آگئیں۔ اب جب تک وہ اُن کے  
 پاس بیٹھی رہیں گی کیا مقدور ہے جو ماں جان پلنگ پر  
 سہ خفا ہوتیں ۵۲ جھوٹ سے مجھے نفرت ہے سہ وہ بیمار ہیں۔

لیٹ جائیں برابر بیٹھی رہیں گی۔ جو کسی نے بہت ہی کہا تو کمر سے تیکہ لگا لیا۔ اُن کی دیکھا دیکھی مجھے بھی ویسی ہی عادت پڑ جاتی۔ بعض دفعہ ایک ذرا سی بات پر مجھے اس قدر تاکید کرتیں کہ پھر تمام عمر کو میرے لیے نصیحت ہو جاتی اور میں یہ جان لیتی کہ اس بات کا کرنا بہت ہی ضرور ہے۔ مثلاً میں اپنی بچی کھلی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہونی اور کوئی اماں اٹھ کر باندھنے لگی اور اسیہی اماں جان کی بھی نگاہ پڑ گئی اب کیا مجال ہے جو وہ اُسے باندھ کر رکھ دے؟ پھر اسی طرح کھلو کر مجھ سے بند ہوا میں گی۔

یہ باتیں کہہ کر انا حسینہ سے فرمایا۔ کیوں بی! تمہیں بھی یہ باتیں یاد ہیں؟ انہوں نے کہا لو اچھی کہی! تم سات برس کی جان تھیں۔ تمہیں تو یاد ہے۔ میں خاصی تیس برس کی عورت تھی مجھے یاد نہ ہو گا؟ اچھا اُس عمر کی اور باتیں بھی تمہیں یاد ہیں؟ اماں جان نے کہا بی! میں نے کوئی کتاب تو لکھ ہی نہیں رکھی۔ بہتیری یاد

ہیں بہتیری نبھول گئی۔ اٹانے کہا بھلا جب تم اُستانی  
 جی کے پاس پڑھنے بیٹھیں تو تمھاری کیا عمر تھی؟ اور  
 تم کون کون سے وقت کیا کیا کام کیا کرتی تھیں؟ اور  
 بیگم صاحب کے پاس کس وقت جا کر بیٹھتی تھیں۔ اور وہ  
 تم کو کیا کیا نصیحتیں کیا کرتی تھیں؟ اماں جان نے کہا۔  
 جی! میرے مغز میں تو اتنا بوتا نہیں کہ اب ساری داستان  
 تمھارے سامنے لیکر بیٹھوں۔ میں نے کہا۔ نہیں  
 اماں جان! ہم تو سنیں گے۔ آپ کو میری ہی جان  
 کی قسم جو آپ نہ کہیں۔ اُنہوں نے کہا۔ لو اور سُنو۔  
 یک نہ شد دوشد۔ یہ اٹانے میرے پیچھے اور جھاڑ  
 کا کانٹا لگایا۔ میں جانتی یہ ذکر ہی نہ کرتی۔ اچھا میں  
 جو تم کو گے سو کروں گی۔ اب تو تم مولوی صاحب کے  
 ہاں جا کر سبق پڑھیآؤ۔ رات کو فرصت کے وقت کہو گی  
 غرض جب رات کو کھانے پینے سے فراغت پاچکے  
 تو اماں جان نے اپنا سارا قصہ بیان کیا۔ وہ کہتی تھیں

۱۵ اتنی طاقت ۱۵ پڑھ آؤ۔

کہ میں پانچ برس کی تھی جو اماں جان نے مجھے اُستانی جی کے سپرد کیا۔ اتنی بات تو مجھے خوب یاد ہے۔ ساتویں برس تک میں اُن سے فقط قرآن شریف پڑھتی ہی اس میں پانچ چھ سپارے میں نے یاد کر لیے۔ ابھی پڑھنے لکھنے کی کسی نے زیادہ تاکید مجھ پر نہیں کی۔ جب آٹھواں سال لگا تو میرے سارے وقت رُک گئے۔ صبح کو چھ بجے سے نو بجے تک تو مجھے اُستانی جی قرآن شریف پڑھاتیں۔ پھر ایک گھنٹے مغلانی کچھ سینا پرونا سکھاتیں دس بجے کہانا کھانے کے بعد مجھ کو اماں جان نے کھیلنے کی چھٹی دے رکھی تھی پڑ میں اپنی خوشی سے اکثر مغلانی پاس چلی جاتی اور کچھ نہ کچھ سینا لے بیٹھتی۔ گیا رہ بجے وہاں جان دیوان خانہ سے مجلسِ امین سونے کو تشریف لاتے تھے۔ وہ مجھ کو اپنے پلنگ کے برابر فرش پر بٹھا کر اپنے سامنے نسخ اور تعلق کی مشق کراتے جب تک وہ جاگتے رہتے میرے حرفوں کو دیکھتے رہتے جہاں میرا ہاتھ بہکتا وہیں ٹوک دیتے۔ جب اُنکی آنکھ لگ جاتی

میں آپ بیٹھی مشق کیا کرتی۔ ایک کے عمل میں وہ اٹھتے تھے۔ میں جب تک وہیں بیٹھی لکھا کرتی۔ جہاں وہ ذرا ہوشیار ہوئے اور میں تختی۔ دوات۔ قلم۔ رکھ کر نماز کو اٹھی۔ کبھی کبھی وہ مشق دیکھنے کو ٹھہرا لیتے۔ اگر مشق اچھی نہ ہوتی یا کم ہوتی تو مجھے رسان میں سمجھا دیتے اور اور ایک آدھ بات ایسی بھی کہدیتے جس سے مجھے غیرت آئے۔ ظہر کی نماز کے بعد اُستانی جی سے اُردو مسائل کی کتاب کا سبق لیتی۔ تین بجے تک اُن کی خدمت میں رہتی۔ جب قرآن شریف ختم کر چکی اور نماز روزہ اور نمانے دہونے کے تسلوں سے خبردار ہو گئی تو باباجان نے مجھے شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ اور فارسی اور حساب شروع کرایا اور یہ فرمایا کہ اپنے سبقوں سے فراغت پایا کرو تو گھڑی آدھ گھڑی کو چار درویش یا اخلاق محسنی کا ترجمہ لے بیٹھا کرو اور اپنے آپ دیکھا کرو۔ جو حرف سمجھ میں نہ آیا وہ

سہ ایک بجے کے قریب۔

اُستانی جی سے پوچھ لیا۔ میراجی ان کتابوں میں خوب لگتا تھا۔ وہ تو گھڑی آدھ گھڑی کے لیے کہتے۔ میں گھنٹہ گھنٹہ بھرا تھیں میں لگی رہتی۔ تین بجے مجھے چھٹی ہوتی تھی۔ اس میں کبھی تو مغلائی پاس جا بیٹھی۔ کچھ اُن کا کام بٹوایا۔ اور کبھی جو ہمارے ہاں کنبے کی لڑکیاں آگئیں اور میرے بہت ہی گرد ہوئیں تو اُن کے ساتھ گڑیاں کھیلنے لگی۔ پر مجھ کو اماں جان نے اول ہی سے کچھ ایسا کام میں لگایا تھا کہ کھیل سے بچن ہی میں مجھے نفرت ہو گئی تھی۔ غرض جب عصر کی نماز پڑھ چکی۔ اب باور چھانہ میں جا کر اماں کو مصالح پیتے۔ ہانڈی چڑھاتے گوشت بھونتے دیکھتی۔ اور نمک۔ پانی اور آئچ کا اندازہ نگاہ میں رکھتی۔ کھانا پکانے میں سب سے زیادہ مشکل کام یہی ہے۔ جب یہ بات میری نگاہ میں چڑھ گئی اور روزمرہ کے کمانے پکانے کی ترکیب اچھی طرح میری سمجھ میں آگئی تو اماں جان نے کہا بیٹا! کبھی کبھی کوئی شے مجھ سے بہت ہی امرار کیا۔

چیز تم بھی اپنے ہاتھ سے پکا لیا کرو۔ یہ کام دیکھنے سے  
 نہیں آتا۔ اس میں سارا کھیل آنچ کا ہے۔ جب تک  
 ہر ایک کھانا دس دس بیس بیس دفعہ تمہارے ہاتھ  
 سے نہ نکلیگا کبھی نہیں آئیگا۔ دوسرے یہ عادت پڑی  
 ہوئی خدا جانے کس وقت کام آجائے۔ آدمی کا حال  
 سدا یکساں نہیں رہتا۔ میری طبیعت میں سدا سے  
 یہ بات تھی کہ ہر ایک کام کو خوب جی لگا کر سیکھتی تھی  
 کچھ تو مجھے شوق تھا ہی۔ کچھ اُن کا کھنا ہوا۔ رفتہ رفتہ  
 سارا کام باور چھینا نہ کا اپنے ہاتھ سے کرنے لگی۔ والی  
 دھونی۔ مصالح پینا پتو لھے میں آگ سڈکانی۔  
 ترکاری چھیلنی۔ پیاز کترنی۔ گھی داغ کرنا۔ کہا ب  
 بنانے۔ یخنی چڑھانی۔ چانول پَساٹنے۔ پلاؤ دم کرنا۔  
 ماماں کو فقط اپنے سامنے بٹھالیتی اور اُس کے سامنے  
 یہ سب کام آپ کرتی۔ اول تو میرے ہاتھ سے کھانے  
 بگڑتے رہے۔ کبھی سالن میں نمک زیادہ ہو گیا۔ کیسی

سہ چانول اُبال کر اُن کا پانی نکالنا۔

دال کچی رہ گئی۔ کبھی کبھی میں پانی زیادہ پڑ گیا۔ کبھی گوشت بھونتے میں داغ لگ گیا۔ کبھی چانولوں میں کنی رہ گئی۔ مگر اماں جان کبھی اس پر خفا نہ ہوتیں۔ جو اباجان کسی دن جنجلا تے تو اشارہ سے انہیں منع کر دیتیں۔

اور میرے پس غیبت یہ کہتیں جسے تم سمجھے ہو اُس نے کھانا نہیں پکایا۔ زبیدہ نے پکایا ہے۔ وہ ابھی چپ سے میرے کہنے سے کبھی کبھی کوئی پتی پکالیتی ہے۔ یونہی پکانے پکانے ہاتھ سٹور جائے گا۔ جو ابھی سے اُس کے پکانے کو نام و صرد گے تو وہ پھر کبھی چولھے پر جا کر قدم بھی نہیں رکھنے کی۔ غرض چند روز میں مجھے کھانا پکانے کا خاصا ڈھب ہو گیا۔ جو کھانے کدھی کدھار پکتے تھے۔ اُنکی بھٹی ترکیبیں میں نے سیکھ لی تھیں۔ پر میں تو سچی بندی ہوں مجھے اُن کا پکانا جیسا چاہیے ویسا آج تک نہیں آتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یا تو جسے زبان کا لپکا ہوتا ہے اُسے ایسی چیزیں آتی ہیں یا جن کا یہ کلام ہے انہیں

۱۵ مزہ دار کمانوں کا شوق۔

آتی ہیں۔ مجھے نہ کبھی دُور پار چٹور پن کی عادت ہوئی  
 نہ خدا کے فضل سے کہیں ماماں گیری کرنی تھی۔ پھر آتا تو  
 کیونکر آتا؟ اب رہی روٹی پکانی۔ سو اس سے البستہ  
 میں ذرا جی چراتی تھی۔ اماں جان نے جو دیکھا کہ یہ اس سے  
 گھبراتی ہے آپ جو لھے پر آن بیٹھتیں۔ اور ایک دو  
 روٹی اپنے ہاتھ سے تو سے پر ڈالتیں پھر مجھ سے  
 ڈلو اتیں۔ میں نے کہا یہ فقط میرا دل بڑھانے کے لیے  
 اپنے اُوپر تکلیف اُٹھاتی ہیں یہ کچھ بات نہیں۔ ایک  
 دن میں نے کہا اماں جان! آپ کو میرے سر کی قسم بس  
 آپ اپنی جائے بیٹھی رہا کریں۔ میرا جی پہلے پہلے تو  
 بیشک ذرا رکتا تھا اور اب تو مجھ سے کہتے میں روز  
 سن بھرا نا پا کار بندہ کر رکھ دیا کروں۔ غرض چند روز  
 میں مجھے روٹی پکانی بھی آگئی۔ چپاتیاں۔ پھلکے۔ روغنی  
 روٹی۔ بری روٹی۔ پراٹھے۔ سب اپنے ہاتھ سے  
 پکا لیتی تھی۔ خیر یہ کہنا تو بیوقوفی ہے کہ میں ماماں سے

۱۵ جگہ چنے کی پسی ہوئی دال بھری ہوئی روٹی۔

اچھا پکاتی تھی۔ وہ بچہ میری اُستاد ہی تھی پڑ میرے ہاتھ  
 کا پکا ابا جان کے مونہ کو ایسا لگ گیا تھا کہ اُن کو کسی  
 باورچی کے ہاتھ کی چیز پسند نہ آتی تھی۔ اب خدا جانے  
 وہ سچ مچ میری تعریف کرتے تھے یا خاطر سے کرتے تھے  
 جوں جوں وہ میری تعریف کرتے میں اور جی لگا کر پکاتی۔  
 غرض جب سب کھانے سے فراغت پا چکے تو  
 رات کے نو دس بجے تک اماں جان کے پاس بیٹھنے کا  
 معمول تھا۔ وہ باتوں ہی باتوں میں مجھے ہر طرح کی  
 نصیحت کرتی رہتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ پڑھنے  
 لکھنے کا شوق دلاتیں۔ اول تو انہوں نے میرے لیے  
 ایک چھوٹی سی الماری بنوائی اور ابا جان کے کتبخانہ  
 میں جتنی چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں اُن سب کی  
 خوبصورت خوبصورت جلدیں بندھوائیں۔ کیسا  
 رنگ بزم۔ کیسا سُرخ۔ کیسا زرد۔ کیسا آبی۔ کیسا  
 بادامی۔ اور سب پر سنہری ٹہپا کیا ہوا۔ غرض وہ سب  
 کی سب میری الماری میں چُن دیں۔ اور کہا۔ بیٹا! یہ

الماری تمہارے لیے ہے۔ اور لو اس کی گنجی بھی  
 تم ہی اپنے پاس رکھو۔ مگر میں نے اُستانی جی سے  
 تمہاری کچھ بھی فریاد سنی تو الماری چھین لوں گی۔  
 کتاب کی محبت میرے دل میں اسی دن سے پیدا ہوئی  
 اور اُس کے چھن جانے کے ڈر سے پڑھنے میں بھی  
 خوب جی لگاتی تھی۔ پھر کبھی یوں کہتیں۔ بیٹا! تم یہ بھی  
 جانتی ہو کہ ان کتابوں کے پڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔  
 دیکھو! تمہارے چچا جان کی اتنے دنوں سے خبر نہیں  
 آئی۔ اگر تم یہ کتابیں پڑھ لو اور اُن کا ذرا بھی پتہ معلوم  
 ہو جائے تو تم یہیں بیٹھی بیٹھی اُن سے روز باتیں  
 کر لیا کرو۔ کبھی کہتیں۔ تم یہ بھی جانتی ہو یہ سورج  
 روز صبح کو کہاں سے آتا ہے اور شام کو کہاں چلا جاتا؟  
 ان کتابوں کے پڑھنے سے تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائیگا۔  
 کبھی کہتیں۔ بیٹا! بھلا یہ تو بتاؤ یہ جو غریبوں کے بچے  
 ننگے کھلے پھرتے ہیں انہیں اور تم میں کیا فرق ہے؟  
 کیا یہ آدمی نہیں ہیں؟ میں کہتی۔ اماں جان! کیوں

آدمی کیوں نہیں؟ بھلا واری! پھر یہ کیا بات ہے کہ تمہارے پاس تو خدا کا دیا کپڑا لٹا گنا پاتا سب کچھ ہے اور اُن کے نہ پاؤں میں جوتی ہے۔ نہ سر پر ٹوپی۔ نہ بدن میں کپڑا؛ بس ساری بات یہ ہے کہ اُن کے ہاں پڑھنے لکھنے کا دستور نہیں ہے اور ہم کو خدا نے یہ عزتِ علم کی بدولت دے رکھی ہے۔ کبھی کہتیں۔ بھلا یہ تو بتاؤ۔ اچھے کھاتے پیتوں کی اولاد فقیر کیوں ہو جاتی ہے؟ اور بھوکے ننگوں کی اولاد امیر کیوں ہو جاتی ہے؟ پھر آپ ہی کہتیں۔ بیٹا! جب پڑھے لکھوں کی اولاد جاہل رہ جاتی ہے تو نیستی آ جاتی ہے اور جہاں بے پڑھوں کی اولاد کچھ پڑھ لکھ لیتی ہے اُس گھر کے دن پھر جاتے ہیں۔ کبھی کہتیں۔ بھلا یہ تو بتاؤ ہمارے گھر میں بڑی قیمتی چیزیں کیا کیا ہیں؟ میں کہتی۔ اماں جان! سب سے زیادہ تو جڑاؤ گنا ہے۔ اُس سے اتر کر سادہ گنا ہے۔ پھر کپڑا ہے۔ تانبے کے برتن ہیں۔ چینی کے باسن ہیں

۱۰ میں تم پر قربان ہو جاؤں۔

فرش ہے - قالین ہے - کوچ ہے - سہری ہے -  
 پلنگ ہے - پیڑھا ہے - یہی چیزیں ہیں - آپ کہتیں  
 نہیں لاڈو! ایسی بات پھر نہ کہنا - سارا گھر تو ایک طرف  
 اور تمھاری الماری کی ایک کتاب ایک طرف تو بھی  
 برابر نہیں ہو سکتے - ان کتابوں میں بعضے بعضے حرف  
 ساری دنیا کے مول سے زیادہ کے ہیں - کبھی کہتیں -  
 بھلا یہ تو بتاؤ مردوں کا درجہ بڑا ہے یا عورتوں کا؟  
 میں کہتی - اماں جان! مردوں ہی کا درجہ بڑا معلوم ہوتا ہے  
 آپ کہتیں - نہ بیوی! ایسا ہرگز نہ سمجھنا - علم ایسی چیز ہے  
 جس کی بدولت ایک عورت لاکھوں کڑوروں مردوں کو  
 اپنا تابعدار بنالے - دیکھو ہماری بادشاہزادی ملکہ وکٹوریہ  
 یہاں سے ہزاروں کوس بیٹھی اپنے علم کے زور سے  
 دو ولایتوں پر بادشاہت کر رہی ہیں - کبھی کہتیں -  
 بیٹیا! اگر تم ان کتابوں کو پڑھ لو تو گھر میں بیٹھی سارے  
 ملکوں کی سیر کر لیا کرو - اور آسمان کے اوپر اور زمین  
 شہ پیاری - جسکی نام برداری کیجائے -

کے نیچے اور دریا کی تہ میں اور پہاڑ کی کہوہ میں جو کچھ ہے  
 سب تم پر آئینہ ہو جائے۔ کبھی ہمارے کنبے کی لڑکیوں  
 میں جو پڑھی لکھی ہوتی اُسکی ہزار ہزار زبان سے تعریف  
 کرتیں اور جو اُن پڑھ تھیں اُنکی طرح طرح سے ہجو کرتیں  
 غرض نو دس برس کی عمر تک مجھے اسی طرح  
 کے دم دلا سوں سے پڑھنے لکھنے کا شوق دلاتی رہیں۔  
 اُن کی ان باتوں سے میرے دل پر ایسا اثر ہوتا تھا کہ  
 دن پر دن مجھے علم کی قدر زیادہ ہوتی جاتی تھی  
 آ۔ محمودہ بیگم کیا بجا ہوگا؟  
 م۔ حضرت! ابھی ابھی دس بجے ہیں۔  
 آ۔ بس بیٹیا! جاؤ سو رہو۔ صبح کو سویرے اٹھنا ہے  
 اب آگے کل کو سنا۔

# تیسری مجلس

زُبیدہ خاتون کا باقی بیان

جب میں سمجھدار ہو گئی تو اماں جان نے مجھ کو اور  
 اور طرح سے سمجھانا شروع کیا۔ مجھے خوب یاد ہے  
 کہ ایک دن کھانا کھا کر سات بجے سے جو بیٹھیں بارہ  
 بجے تک یہی نصیحتیں کرتی رہیں کہ بیٹیا! علم بڑی دولت  
 ہے۔ علم سے خدا ملتا ہے۔ علم سے نجات ہوتی ہے۔  
 علم کے آگے مال اور دولت کی کچھ حقیقت نہیں۔ ایک  
 محتاج آدمی جو علم رکھتا ہو وہ بے علم بادشاہ سے بہتر ہے  
 ایک آدمی کا علم اور ہزار آدمیوں کی عبادت برابر نہیں  
 ہو سکتی۔ جس آدمی میں علم نہیں وہ آدمی نہیں جانور  
 ہے اور جس گھر میں کوئی علم والا نہیں وہ گھر نہیں جانور کا  
 در ہے۔ اور جس ملک میں علم کا رواج نہیں وہ ملک

ہاں پورے سبب

نہیں ڈھوروں کا جنگل ہے۔ علم کی عزت مال و دولت  
 کی عزت سے کہیں سوا ہے۔ امیر آدمی کی عزت یا  
 کپڑے لٹے سے ہے یا سُنَد تیکہ سے۔ یا نوکروں  
 چاکروں سے۔ یا ہاتھی گھوڑوں سے۔ جہاں اُن سے  
 الگ ہوا پھر جہاں اور خدا کی مخلوق ہے ایک وہ بھی ہے  
 اور علم والا جس حال میں رہے گا اور جہاں جائیگا اور  
 جس سے ملیگا اُسکی عزت ویسی ہی بنی رہے گی۔  
 بہت دُور کیوں جاتی ہو جتنا ادب تم اُستانی جی کا  
 کرتی ہو اور جتنی اُن سے دبتی ہو اور اُن کا لحاظ کرتی ہو  
 کسی اور سے بھی تمہارا یہ حال ہے؟ میں نے کہا اماں جان  
 پھر وہ میری اُستاد بھی ہیں۔ اُستاد کا ادب سبھی کیا  
 کرتے ہیں۔ کہا۔ بیٹیا! سفلائی بھی تو تمہاری اُستاد ہیں؟  
 اماں نے بھی تو تمہیں کمانا پکانا سکھایا ہے؟ اُن کا اتنا  
 ادب کیوں نہیں کرتیں؟ بتو! اُستانی جی کی عزت ساری  
 علم سے ہے۔ بھلا تم تو اُن کی شاگرد ہو ہم جو اُن کی  
 اتنی تعظیم کرتے ہیں کیوں کرتے ہیں؟ آخر ہماری تو لوکر

ہی ہیں۔ مگر یہ چار حرف وہ چیز ہیں کہ آدمی جس کا نوکر  
 ہو اسی سے تعظیم لے۔ اسکے سوا اگر سچ پوچھو تو ہم لوگ  
 پڑھے لکھوں کے سامنے بالکل اندھے ہیں۔ اپنے نفع  
 کو ہم نہیں پہچانتے۔ اپنے نقصان کو ہم نہیں سمجھتے۔  
 بات کرنے کا ہمیں سلیقہ نہیں۔ بات سمجھنے کا ہمیں  
 وقوف نہیں۔ یہ جو بھضے گھروں میں میاں بیوی کی  
 نہیں بنتی اور عورتیں آپس میں ٹھیک مردوں ہی کو بُرا  
 ٹھیراتی ہیں۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں اس کا جواب  
 دوں؟ ہے ہے! کیا بُرا زمانہ ہے؟ انصاف تو کہیں  
 نام کو نہیں۔ اری احمق! تم سے مردوں کا دل کیا خاک  
 ملے؟ اول تو خدا تعالیٰ نے مردوں کی ذات ہی میں  
 عقل و شعور تم سے زیادہ رکھا ہے۔ دوسرے پڑھنا  
 لکھنا ان کا کام ہے۔ جو گئے سے گیا ہو گا وہ بھی کچھ نہ کچھ  
 ہنر رکھتا ہوگا۔ اور کچھ نہیں تو پڑھے لکھوں سے سن  
 ہی سنکر اُس نے ہزاروں باتیں یاد کر لی ہوں گی۔

نہ نکتے سے نکلتا۔

آخر مرد ذات ہے۔ سبھی سے ملتا ہے۔ سبھی کے ہاں  
 آتا جاتا ہے۔ سب ہی کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے۔ مولوی  
 کی صحبت میں بیٹھے گا چار مہینے دین کے سیکھیگا۔ دس  
 باتوں کی بُرائی بھلائی سے واقف ہوگا۔ طبیب سے ملیگا  
 چار باتیں طبابت کی سیکھیگا۔ کچھری میں جائیگا۔ نئے  
 نئے حکم نئے نئے قانون سنیگا۔ بڑے بوڑھوں میں ٹھہریگا  
 زمانہ کی اونچ نیچ سے خبردار ہوگا۔ آخروں ہی ہوتے ہوتے  
 آدمی ہو جائے گا۔ تم بتاؤ تم نے آدمیت کہاں سے  
 سیکھی؟ اور کیونکر سیکھی؟ گھر کی عقل تم میں جمی جم  
 ہے۔ کجی تمہاری طبیعت میں داخل ہے۔ علم سے تمہیں  
 کچھ بخت ہی نہیں۔ تمہارے نزدیک جس طرح باہر پھرنا  
 پر دیس جانا۔ کمائی کرنی۔ یہ سب کام مردوں کے ذمہ  
 ہیں۔ اسی طرح پڑھنا لکھنا بھی انہیں کا کام ہے۔ اب  
 رہی صحبت۔ سو خدا کے فضل سے یہاں آوا کا آواہی  
 بگڑا ہوا ہے۔ میکے میں نانہی۔ دادی۔ ماں۔ بہن۔ بھانج  
 چچی۔ خالہ۔ پھپھی۔ اور سسرال میں ساس۔ نند۔ دیورانی

جٹھانی - خلیا ساس - چچیا ساس - ٹھپیا ساس - غرض ہمارے  
 کنبے میں چھوٹے سے لیکر بڑی تک اور جوان سے لے کے  
 بوڑھی تک کوئی اتنی نہیں جس کے پاس بٹھیکر تم کچھ آدمیت  
 سیکھو۔ جسے دیکھو اسے اسکے سوا کچھ نہیں آتا کہ چار  
 سہ جوڑ کر بیٹھ گئیں اور زمانہ کی بُرائی کرنی شروع کی۔  
 کوئی ساس نند کا جھینگنا جھینکتی ہے۔ کوئی دیوزانی  
 جٹھانی کا دکھڑا روتی ہے۔ کوئی بیو پر زہرا گلتی ہے۔  
 کوئی خاوند کا صبر سمیٹتی ہے۔ کوئی کیسلی شادی کو نام  
 دھرتی ہے۔ کوئی کسیکے جہیز پر ہستی ہے۔ کوئی کسی کی  
 ذات میں عیب نکالتی ہے۔ اور جو اس میں کسی نے کسی  
 کی بات کاٹ دی تو آپس ہی میں جنگ ہونے لگی۔  
 اس کے سوا مزاجوں کا وہ حال ہے کہ جو ذرات مزاج ہیں وہ تو  
 چلتی ہوا سے لڑتی ہیں۔ بات اس طرح کرتی ہیں جیسے  
 کسی نے پتھر دے مارا۔ میاں سے بات بات میں اڑیج  
 نکالنی۔ بچوں کو خواہی نخواستی کو سنا۔ نوکروں سے  
 بد مزگی کی باتیں کرنا۔

حق ناحق الجھننا۔ اور جن کے مزاج میں ذرا دھیما پن ہے  
اُن کی یہ صورت ہے کہ اُن سے ہلکر پانی نہیں پیا جاتا۔  
اماں نے جیسا پکا دیا ویسا کھا لیا۔ منغلانی نے جیسا سی دیا  
ویسا پہن لیا۔ کھانے میں نمک زیادہ پڑ گیا تو بلا سے  
کپڑے میں جھول رہ گیا تو جوتی کی نوک سے۔ پانی کی  
ٹھلیاں کھلی پڑی ہیں تو کچھ خبر نہیں۔ برتن بے قلعی ہو گئے  
ہیں تو کچھ پروا نہیں۔ ایسوں کے پاس بٹھیکر آدمی تو کیا  
بنوگی اور کہیں رہی سہی آدمیت بھی نہ کھو بیٹھو؟ ہاں ایک  
نیا مذہب سارے جہان سے نرالا۔ ساری خدائی سے  
انوکھا۔ نہ جس کا قرآن میں پتا نہ جس کا حدیث میں ذکر۔ وہ  
البتہ سیکھ جاؤ گی۔ میں نے کہا۔ اماں جان! کیا عورتوں کا  
مذہب دُور پار سب سے جدا ہے۔ کہا۔ بیٹا! کیا تم نے  
اُن کے منسلے نہیں سنے؟ سچ ہے تم کہاں سے سُنتی؟  
اگر تمہاری ماں بھی اول دن سے تم کو یہی باتیں سکھاتی  
اور نماز روزہ کی جگہ انہیں ہاتوں کی تاکید رکھتی تو تم کو  
معلوم ہوتا کہ عورتوں کے دلوں میں کیا کیا خط سمائے ہوئے

ہیں؟ میں نے کہا۔ اچھی اماں جان! وہ کیا مسئلے ہیں ذرا  
مجھے بھی تو سنا دو؟ کہا۔ بیٹا! ایک بات ہو تو کہوں  
انہوں نے تو ہزاروں خرافات جوڑ رکھے ہیں۔ قینچی  
نہ بجاؤ۔ دستپا نہ بجاؤ۔ چاکو سے ناخن نہ لو۔ ٹہلیا پر ہاتھ  
دھر کے پانی نہ پیو۔ یہ سب باتیں نحوست کی نشانی ہیں۔  
ٹنگے سر پانی پیو تو سر پر ہاتھ رکھ لو۔ چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر  
کھڑے نہ ہو اور بھولے سے رکھ دیا تو دونو ہاتھوں کو  
چوم لو۔ دو آدمیوں کے بیچ میں سے آگ نہ نکالو نہیں تو  
اُن میں لڑائی ہو جائے گی۔ چھلنی سر پر نہ رکھو نہیں تو  
گنج ہو جائے گا۔ ترازو سے کھڑے ہو کر نہ تولو نہیں تو  
برکت جاتی رہے گی۔ کھانا کھا کر انگڑائی نہ لو نہیں تو  
کھایا پیا سب کتے کے پیٹ میں چلا جائے گا۔ جھاڑو کو  
بدن سے نہ لگنے دو نہیں تو بدن سینک سا ہو جائیگا۔  
ڈوئی کو بدن سے نہ لگنے دو نہیں تو کھانے کا ہو کا ہو جائیگا  
ٹھکرایا ہو یا لانا لگا ہو پانی نہ پیو۔ جس پلنگ پر چڑھتا ہو  
سہ چٹا۔

اُسے پٹیاں پکڑ کر نہ اٹھاؤ اور جو اٹھا لیا تو دونوں طرف سے  
 ہاتھ بلا کر چوم لو۔ جس پانی کو تین ہاتھ لگ جائیں اُسے  
 پھینک دو یا چوتھا ہاتھ لگا لو۔ کہیں بیٹھ کر پاؤں نہ پلاؤ۔  
 رِزق ہلتا ہے۔ چراغ کو ٹھونک مار کر نہ بجھاؤ مونہ میں سے  
 بدبو آنے لگیگی۔ بچوں کو دودھ۔ دہی۔ چانول کھلاؤ تو  
 راکھ چٹا دو نہیں تو نظر ہو جائے گی۔ بدن میں کپڑا سینے  
 سے نیستی آتی ہے۔ گھر میں سینہ کا کاشا رکھنے سے لڑائی  
 ہوتی ہے۔ جس پر مرّت بقیائی کا آنچل پڑ جائے اُس کا بچہ  
 بیمار ہو جائے گا نہیں تو آنچل کا کونا کتر کر جلا دو۔ کسی کے  
 ہاں مہمان جاؤ تو تیسرے دن نہ آؤ۔ بدھ کے دن کیلے  
 ہاں نہ جاؤ۔ دولہن کا جوڑا سیو تو سات سہاگنوں کا ہاتھ  
 لگاؤ۔ صبح کو کوٹا بولے تو جانو کوئی عزیز پر دیس سے آیا ہے  
 اُسکے سامنے سب پر دیسیوں کے نام لینے شروع کرو  
 جسکے نام پر وہ اڑ جائے وہی آئے گا۔ صبح اُٹھتے ہی حکیم  
 کا نام لو تو چیرے والا اور دہون کا نام لو تو اُجلی کہو۔ چاند کو  
 سہ جس عورت کے بچے مر جائیں۔

اوپر والا - سائب کورسی - ہیضہ کو تھکارا - مسان کو  
 بناواں کو - رات کو کتے بھونگیں تو جانو انہیں شیطان  
 دکھائی دیتا ہے - تو اچولے سے اتر کر ہٹے تو جانو کچھ  
 خوشی ہونیوالی ہے - اٹھتے ہوئے کوئی چھٹک دے تو  
 بیٹھ جاؤ - الٹی چار پائی کھڑی نہ کرو نحوست کی نشانی ہے  
 کپڑا بیٹو تو زمین کو چھوا لو - پانی میں سوٹھ نہ دیکھو - دوا  
 پیو تو کورا الٹ دو - پاؤں پر پاؤں نہ دھرو نحوست آتی ہے  
 جوتی پر جوتی جڑھ جائے تو جانو گیس سفر کرنا ہے - کھانا  
 کیسے اوپر سے نہ دو نہیں تو صدقہ ہو جائے گا - کسی  
 پر سے لائیکے نہ جاؤ نہیں تو سرد کھے گا - ناکہ کھلائے تو  
 باہر سے آئے ہوئے مرد کی جوتی لے کر سات بار چھواؤ  
 نہیں تو بیمار ہو جاؤ گے - نہلیا نہ بجاؤ نحوست آتی ہے -  
 جس نے دوسرا نکاح کیا ہوا سے بیوی کی صحنک پر  
 نہ بٹھاؤ - تیسری - تیرھویں - تیسویں اور آٹھویں -  
 اٹھارویں - اٹھائیسویں یہ سب تاریخیں نحس ہیں -  
 لے پسلی کا درد جو بچوں کو ہوتا ہے - لے قطع کرو -

ان میں کوئی نیا کام نہ کرو۔ بدھ کے دن سفر کو نہ جاؤ۔  
 جمعرات کو سہل نہ لو۔ حکیم کے ہاں نہ جاؤ۔ فصد نہ کھلو۔  
 رات کو ادوائن نہ کھینچو۔ چھپکلی کپڑوں پر گر پڑے تو  
 سونے کا پانی بدن پر ڈالو۔ بچکیاں آئیں تو جانو کوئی یاد  
 کرتا ہے۔ نکھی مونھ میں چلی جائے تو جانو کچھ سٹھاس کھا پیئنگے  
 بچہ کی آنکھیں دکھیں تو چھوت جھاڑو۔ بچہ کے چچک نکلے  
 تو گوشت نہ بگھا رو۔ اُجلے کپڑے پہن کر نہ آؤ۔ نہا کر نہ آؤ۔  
 پلنگ پر جھاڑو نہ دو نخوست آتی ہے۔ کوری ٹھیلیا بھری  
 جائے تو پہلے کسی مرد کو پانی پلا لو۔ کیسکی ناک کو اپنا  
 ہاتھ لگ جائے تو اُس کا ہاتھ اپنی ناک کو لگا لو نہیں تو  
 وہ بیمار ہو جائے گا۔

غرض اسی طرح کی سیکڑوں باتیں ہیں کہاں تک  
 بیان کروں۔ اور بیٹیا ہمارے شہر میں تو جب سے عورتیں  
 کچھ کچھ پڑھنے لکھنے لگی ہیں بہت باتیں چھوٹ بھی گئیں ہیں پڑ  
 قصبات کی عورتیں اب تک ان باتوں کو مانے جاتی ہیں  
 ایک بھلے مانس کہیں باہر کے رہنے والے ہمارے پڑوس

میں آکر رہے تھے اُن کی عورتوں سے ہمارا بھی ملنا جلنا تھا  
انہیں جو دیکھا تو اسطرح کی سیکڑوں باتیں اُن کی  
زبان پر تھیں۔

اسکے سوا تیج تھوار۔ موت شادی میں جو رسمیں  
ہوتی ہیں اُن کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔ اُنہیں نہ کچھ دین کا  
فائدہ ہے نہ دُنیا کا اور لاکھوں روپیہ یونہی برباد ہوتا ہے  
مرد کماتے کماتے تھک جاتے ہیں پڑ عورتیں اُٹھاتی  
اُٹھاتی نہیں تھکتیں۔ تمہارے ابا کہتے تھے کہ انگریزوں نے  
یہاں کی رسمیں ایک کتاب میں لکھ کر اپنی ولایت کو  
بھیجی ہیں۔ جب سے میں نے یہ بات سُنی ہے۔ مجھے  
رہ رہ کے خیال آتا ہے۔ ہے ہے! جس ملک کا بچہ بچہ  
پڑھا لکھا اور کیا مرد اور کیا عورت سب عقل کے پتیلے ہیں  
جب وہ لوگ اُس کتاب کو دیکھتے ہوں گے تو ہماری  
بیوقوفیوں پر کیسے ہنسنے ہوں گے؟ اور ابھی کیا ہے  
دیکھئے ہماری جہالت ہم کو اور کیا کیا دکھاتی ہے؟ ہماری

بہنیں اسی بات پر چاہتی ہیں کہ خاوند ہمارے تابع دار رہیں اور ہمارے پاؤں دھو دھو کر سئیں؟ ذرا اپنے گریبان میں تو سوئحہ ڈال کر دیکھیں کہ ہم کون ہیں اور کن کو اپنا تابعدار کیا چاہتی ہیں؟ اگر تمہارا دل بیل اور گائے بگری سے بچائے تو تمہارے خاوندوں کا دل بھی تم سے ملے۔ تم میں اور انہیں اتنا ہی فرق ہے جتنا آدمی اور جانور میں۔ ہاں جو تم بھی بڑھو لکھ کر آدمی بنو تو تم سے زیادہ کوئی ان کا دوست اور غمخوار نہیں۔ سنو! آدمی کا دل آدمی سے جھیلتا ہے جب دونوں کی طبیعت ایک سی ہوتی ہے۔ بچوں کے ساتھ کیسا ہی پیارا خلاص کرو مگر وہ بڑوں کی صحبت سے سو سو کوس بھاگتے ہیں۔ لیکن کوئی بڑا آدمی ان میں مل کر انہیں کے سے کھیل کھیلنے لگے تو ان کا پرچا نا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اسی طرح بڑے بوڑھے جوانوں کی صحبت سے گھبراتے ہیں لیکن اگر کوئی جوان آدمی بھاری بھر کم بن کر بوڑھوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ تو وہ اُس سے گھل مل کر باتیں کریں گے۔ اور عورت مرد کا دل تو خدا کی قدرت سے بلا ہوا ہے جس طرح

مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسی طرح مرد کا دل عورت کی طرف خود بخود کچتا ہے۔ اب اگر عورت میں ایک اتنی بات اور ہو کہ جو کام کرے اسکے مزاج کے موافق کرے اور جو بات کہے اُس کے جی لگتی کہے تو پھر مرد کو اور کیا چاہیے؟ یقین تو یہ ہے کہ پھر گھڑی بھر کے لیے اُسکی جدائی گوارا نہ کرے۔ مرد کو ایسا سمجھو جیسے پیاسا اور عورت کو ایسا سمجھو جیسے چشمہ۔ اگر چشمہ کے گرد درختوں کا سایہ بھی ہے اور چاروں طرف سبزہ بھی لہلہا رہا ہے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی ہے تو پانی پی کر پیاسے کا جی بے اختیار یہ چاہے گا کہ دو چار گھڑی یہاں بیٹھ کر سبزہ کی بھی سیر دیکھیے۔ اور جو زرا چشمہ ہی چشمہ ہے اور کچھ ایسی فضا کی جگہ نہیں ہے تو پانی پی کر اپنا راستہ لے گا۔ اسی طرح اگر گھر کی بیوی مزاج کے موافق ہے تو خاوند اُس کے پاس بھی بیٹھے گا۔ اُس سے بات چیت بھی کرے گا۔ اُس سے صلاح بھی لے گا۔ اُس کا جی بہلیگا تو اُس سے بہلیگا۔

اُس کا دل لگیگا تو اس کی صحبت میں لگیگا۔ کمانا۔ پینا۔ سونا  
 بیٹھنا۔ ہسنا۔ بولنا۔ کوئی چیز اس کے بغیر بھی نہیں گننے کی  
 لیکن مردوں کا مزاج پہچاننا اور ہر ایک بات اُن کے  
 مزاج کے موافق کرنی اور اُن کے دل میں گھر کرنا عورت  
 کو بغیر علم کے نہیں آسکتا۔ کیونکہ گھر کی چار دیواری میں ایسی  
 چیز جو اُسکو آدمیت سکھائے علم کے سوا کوئی نہیں۔  
 بلکہ جو عورتیں باہر پھرتی ہیں وہ بھی بغیر علم کے کچھ سلیقہ  
 حاصل نہیں کر سکتیں۔ ہندوستان میں بیسیوں  
 قومیں ایسی ہیں جن کے ہاں پردہ کا دستور نہیں پڑ  
 میاں بیوی میں اُن کے ہاں بھی اُن بن رہتی ہے۔  
 ہاں انگریزوں میں بیشک یہ بات سننے میں آئی ہے کہ  
 جیسی اُن کے ہاں میاں بیوی میں محبت ہوتی ہے ایسی  
 کہیں نہیں ہوتی۔ بس اس کا سبب یہی معلوم  
 ہوتا ہے کہ اُن کی عورتیں پڑھی لکھی قابل ہوتی ہیں۔  
 ہر طرح خاوندوں کا دل ہاتھ میں رکھتی ہیں۔ کوئی  
 بات اُن کی مرضی کے خلاف نہیں کرتیں۔ خاوند بھی

اُن کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ بیٹیا! علم بڑی شے  
 ہے۔ اگلے زمانہ میں جو پڑھی لکھی عورتیں گزری ہیں  
 انہوں نے مردوں سے بھی بڑھ کر کام کیے ہیں۔  
 شاہجہاں بادشاہ نے اپنی بیٹی روشن آرا بیگم  
 کو خوب پڑھایا لکھایا تھا۔ جب عالمگیر نے باپ کو قید  
 کیا تو روشن آرا نے باپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور آپ  
 بھی شاہجہاں کے ساتھ قید خانہ میں چلی گئی اور ہمیشہ  
 لونڈیوں کی طرح باپ کی خدمت کرتی رہی۔ دیکھو  
 عالمگیر سا بیٹا۔ پڑھا۔ لکھا۔ مولوی۔ نمازی۔ پرہیزگار  
 اُس نے تو باپ کے ساتھ وہ سلوک کیا اور بیٹی نے  
 یہ حق ادا کیا کہ آج تک لوگ اُسکی تعریف کرتے ہیں۔ یہ  
 ساری علم کی خوبیاں ہیں۔ اور خیر یہ تو اگلے زمانہ کی  
 بات ہے شاید کوئی نہ بھی مانے۔ میں تمہیں اس سے  
 بھی پاس کی بات بتاؤں۔ تمہارے باپ سے ایک  
 انگریز سے ملاقات تھی۔ اُس کی میم سے ہمارا بھی  
 ملنا جلنا تھا۔ وہ ایک دن کہتی تھی کہ ہماری بادشاہزادی

ملکہ و کٹوریا نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اُس میں اوّل  
 سے آخر تک اپنے سیاں کا اور اپنا اور اپنی اولاد کا  
 حال لکھا ہے۔ اُس میں بیسیوں باتیں ایسی ہیں جن کے  
 دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اکبر! خدا تعالیٰ نے  
 دنیا میں ایسی عورتیں بھی پیدا کی ہیں۔ خیر بادشاہزادیوں  
 کی ریس کرنی تو مشکل ہے پڑ آدمی اتنا تو ہو کہ اپنے نفع  
 کو نفع جانے۔ اپنے نقصان کو نقصان سمجھے۔ یہ نہیں کہ  
 بڑے بوڑھوں سے جو کچھ سُن لیا اُسی پر مجھے ہوئے ہیں  
 خواہ اس میں نفع ہو خواہ نقصان ہو۔ بچہ چیچک میں  
 مرے یا جئے پڑ کیا ذکر ہے جو اس کا علاج ہو۔ بہت کیا  
 سونے کا پانی پلا دیا۔ یا بیٹھکر نیم کی ٹہنی جھلنے لگیں۔  
 ہاں یہ روک ٹوک ضرور ہوگی کہ گھر میں گوشت نہ پکنے  
 پائے۔ کسی کمانے کو بگھار نہ دیا جائے۔ جو ہنما کر یا  
 اُجلے کپڑے پہن کر آئے اُس کا پر چھاواں بچہ پر نہ پڑے  
 سرکار نے جو ٹیکانکا لایا ہے اُس کا یہ حال ہے کہ اگر  
 سونچوں کے لگایا جائے تو خدا کی ذات سے امید تو یہ ہے

کہ سٹو میں نوٹے کے تو بالکل نہ نکلے اور دس جو باقی رہے  
 اُن کو بھی خدا کے فضل سے کچھ ایسی جو کھوں نہیں۔ مگر  
 نکلی بھی تو کم نکلے گی۔ تمہارے ابا ایک دن کہتے تھے  
 کہ میں نے آج تک کسی انگریز کے مونہ پر چچک کا داغ  
 نہیں دیکھا۔ مگر یہاں یہ صورت ہے کہ ٹیکے کے نام سے  
 ہول آتا ہے۔ سرکاری ڈاکٹر چچک کے دنوں میں  
 گلی گلی پھرتے ہیں کہ کوئی اپنے بچے کے ٹیکا لگوائے۔ مگر  
 یہ ایسی ڈرتی ہیں جیسے کوئی موت سے ڈرتا ہے۔ جہاں  
 ڈاکٹر کا نام سنا اور دروازوں کی کُنڈیاں دے لیں۔  
 آگے چل کر گلالی۔ بڈ۔ اورنگ زیبی۔ کنٹھالا۔ کنپھیرٹ  
 اور اور طرح طرح کے پوڑے پھنسی جو بچوں کے  
 نکلنے ہیں اُن میں مہینوں بچوں کو گلاتی ہیں۔ اور  
 ہندوستانی جراثیموں کے ڈھکوسلوں پر رکھتی ہیں۔  
 یا ملاسیانوں سے جھڑواتی ہیں۔ پر ڈاکٹر سی علاج  
 جس سے ایسے ایسے برسوں کے روگ ایک آن کی  
 آن میں جاتے رہتے ہیں۔ اُس کی ہوتا تک نہیں گئے

دیتیں۔ پھر جب بچہ کو تپ بخار کا عارضہ ہوگا حکیم کو  
 کبھی نہ دکھائیں گی۔ نظر گذر کے بھلاوے میں کچھ اور ہی  
 اور علاج کریں گی۔ کہیں نون رائی یا کالے دانے کی  
 دہونی دیں گی۔ کہیں بچہ پڑ سے صدقہ اتار کر چوراہہ میں  
 رکھوائیں گی۔ پھر جب بچہ کی آنکھیں دکھیں گی کبھی حکیم یا  
 کمال کا علاج نہ کریں گی۔ علاج میں علاج کریں گی تو  
 یہ کریں گی کہ ایک رستی پر چتھڑا لپیٹ کر ایسی جگہ ڈلوانیگی  
 جہاں آئے گئے اُس پر سے لائنگ کر جائیں۔ پھر اُس کو  
 تیل میں ڈبو کر روشن کریں گی۔ اور باسن میں پانی  
 بھر کر بچہ پر سے چھوت جھاڑیں گی اور ہر بار بچہ سے  
 یہ پوچھتی جائیں گی کہ چھوت جھڑی؟ وہ کہیگا ہاں چھوت  
 جھڑی۔ تیسری بار اُس بتی کو پانی میں ڈال دیں گی۔  
 آگے چل کر بس عورت کی اولاد نہیں جیتی اُس کے کچھ  
 اور ہی اور علاج ہیں۔ کہیں گردشت ہے۔ کہیں نہمان ہے  
 کہیں یہ روک ٹوک ہے کہ کڑھائی کا پکانہ کھائے۔ انڈا  
 نہ کھائے۔ مچھلی نہ کھائے۔ گڑ۔ یا دودھ۔ دہی نہ کھائے

میت میں نہ جائے۔ چھٹی میں نہ جائے۔ اس کے سوا اور  
 بیسیوں خرافات ہیں۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ خدا کو زندگی  
 دینی ہوگی تو ہر طرح جیسے گا۔ اور جو اسی کو منظور نہیں  
 تو ان واہی تباہی باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ پھر جس کے  
 سرے ہی سے اولاد نہیں ہوتی اُس کے لیے کہیں پریونکی  
 چوکیاں بھرتی ہیں۔ کہیں ٹیپکیں دیتی ہیں۔ جن کے سر پر  
 پریاں آتی ہیں ان کے آگے تمام تمام رات ڈومنییاں  
 لگاتی ہیں اور وہ خود سر ہلاتی جاتی ہیں اور جو جی میں آتا ہے  
 سو مانگتی ہیں۔ پریوں کا یہاں تک ادب ہے کہ ان کا نام  
 نہیں لیتیں۔ جب کہتی ہیں اوپر والیاں کہتی ہیں۔ کوئی  
 ان سے پوچھے پریاں کون بلا ہیں جو اولاد دیں گی؟ اولاد  
 کا دینا نہ دینا مالک کے اختیار ہے۔ جسے چاہے دے  
 جسے چاہے نہ دے۔ اسکے سوا اڑے بڑے وقت میں  
 خدا کو چھوڑ کر کوئی اللہ بخش کو مانتی ہے۔ کوئی شیخ سلف  
 کا بکرا دیتی ہے۔ کوئی سید احمد کبیر کی گائے چڑھاتی ہے  
 کہیں بالے میاں بچتے ہیں۔ کہیں ننھے میاں مانے

جاتے ہیں۔ کہیں دریاخاں کا عمل دخل ہے۔ غرض  
 اسپطرح جسے دیکھو ایک نہ ایک بلا میں پھنسی ہوئی ہے  
 خیر یہ باتیں تو ایسی ہیں کہ اب اب کر کے شہر میں سے  
 بہت جاتی رہی ہیں۔ اور جو ہیں تو جاہل اور آن پڑھ  
 لوگوں میں ہیں جن کے ہاں کے مرد عورت علم سے  
 بالکل کورے ہیں۔ اور یہ عیب بھی ایسے ہیں کہ آدمی  
 کچھ بھی سمجھ رکھتا ہو تو سمجھائے سے سمجھ سکتا ہے  
 پڑ بیٹا! ان کے سوا اور بہت سی گپتی بیماریاں  
 ایسی ہیں جنہیں آدمی کچھ چیز نہیں سمجھتا اور وہ اسکا  
 کام تمام کیے جاتی ہیں۔ ان بیماریوں کا سمجھنا اور انکا  
 علاج کرنا اسی شخص کا کام ہے جسکی آنکھ پر علم کی  
 خوردبین لگی ہوئی ہے۔ اس وقت جتنی یہاں بیٹھی ہیں  
 خواہ اس میں میں ہوں۔ خواہ تم ہو۔ خواہ اور کوئی ہو  
 وہ آزار سب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ پڑ یہ کیسکو  
 گوارا نہیں کہ ہماری بیماریاں کسی پر ظاہر ہو جائیں۔  
 اس وقت اگر کسی کے سامنے کہدو کہ تمہیں یہ بیماری ہے

تو وہ فوراً ہرمان جائے۔ اسنی لیے تو وہ بیماریاں  
 مشکل سے جاتی ہیں۔ جیسے لکڑی کو گھن لگجاتا ہے  
 اسی طرح اندر ہی اندر وہ آدمی کا کام تمام کر دیتی  
 ہیں۔ یہ جو ظاہر کی بیماریاں ہیں ان میں تو جان کا  
 ڈر ہے اور ان میں ایمان کا خوف ہے۔ میں نے کہا  
 اچھی اماں جان! وہ کیا بیماریاں ہیں؟ کہا۔ بیبا! وہ  
 یہ بیماریاں ہیں کہ ان اپنے تئیں سب سے اچھا  
 جانے اور اپنے سامنے کسی کو کچھ نہ سمجھے۔ کسی کو اچھے  
 حال میں دیکھے تو جلجائے۔ دل میں کپٹ رکھے اور  
 ظاہر میں دوست بنا رہے۔ لوگوں کو پیٹھ پیچھے برا کہے  
 اور سامنے خوشامد کرے۔ جس سے ملے اپنی غرض  
 کے لیے ملے۔ اپنے فائدے کے لیے دوسرے کے  
 نقصان کا روادار ہو۔ نیک کام لوگوں کے دکھا نیکو  
 کرے۔ کسی پر ذرا سا احسان کرے تو ایک ایک سے  
 کہتا پھرے۔ آوروں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیب نکالے  
 لے کینہ۔ بُنفس۔

اور اپنے عیبوں سے آنکھیں بند کر لے۔ کسی میں  
 ایک عیب دیکھے تو اس کی ساری خوبیوں پر  
 پانی پھیر دے۔ اس طرح لالچ۔ ہوکا۔ لڑا پن۔  
 جھوٹ۔ مکر۔ دغا۔ یہ سب بیماریاں ہیں۔ خدا دشمن  
 سے دشمن کو یہ آزار نہ لگائے۔ چوری۔ جوا۔ بدکاری  
 یہ عیب بلا سے ایسے تو ہیں کہ ان کا کرنے والا ان کو  
 عیب تو جانتا ہے۔ اور یہ عیب جو میں نے بتائے  
 ان کا تو حال ہی نہیں گھنٹا۔ غرور کرنے والا کبھی اپنے  
 آپ کو مغرور نہیں جانتا۔ غیبت کرنے والا کبھی  
 کسی کی بُرائی کرنے سے شرمندہ نہیں ہوتا۔ فریبی  
 ہمیشہ فریب دینے کو ہنر جانتا ہے۔ میں نے کہا اٹل جان  
 پھر یہ عیب آدمی سے کیونکر چھوٹیں؟ کہا۔ بیٹا! ان کا  
 علاج اسی سے ہو سکتا ہے جو علم رکھتا ہے۔ اور  
 ہر وقت اخلاق کی کتابیں دیکھتا رہتا ہے۔ اور ہر ایک  
 عیب کو اس طرح جانتا ہے جیسے طبیب ہر ایک

لہ کمانیکار میں ہونا لہ چغلی کمانا۔ پیٹھ پیچھے براگنا۔

بیماری کی جڑ کو پہچانتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری  
 بادشاہزادی ملکہ وکٹوریا ایسی رجمدل اور  
 خلق والی ہیں کہ ایسا ہونا مشکل ہے۔ غرور اور گھمنڈ  
 کہیں اُن کے پاس ہو کر نہیں گذرا۔ سنا ہے کہ ایک دن  
 کہیں گاڑی میں بیٹھی ہوئی سڑک پر چلی جاتی تھیں  
 اور آبادی وہاں سے بہت دُور تھی۔ ایک بوٹھا آدمی  
 گماشس کا گٹھا سر پر رکھے چلا جاتا تھا۔ ملکہ نے اُسکا  
 گٹھا گاڑی میں رکھوا لیا۔ اور اُس کو گاڑی کے پیچھے  
 بٹھالیا۔ جب وہ جگہ آگئی جہاں اُس کو پہنچنا تھا تو ملکہ نے  
 فرمایا جاؤ تمہاری جگہ آگئی۔ وہ اُتر کر آداب بجالایا اور  
 عرض کیا کہ آج میری ماں جیتی ہوئی تو وہ بھی میرے ساتھ  
 اس سے زیادہ نہ گرتی جو حضور نے کیا۔ اسی طرح ایک  
 دن رستہ میں کچھ ہجوم ساتھ تھا۔ ملکہ کی گاڑی جو ادھر کو  
 آئی تو چاکر لوگوں کو ہٹانے لگے۔ ملکہ نے دیکھا کہ انہو  
 بہت ہے فوراً گاڑی سے اُتر لیں اور جب تک اُس  
 ہجوم سے نہ نکل لیں سوار نہ ہوئیں۔ اسی طرح ایک دن

ایک شہزادہ کیلٹا کیلٹا دریا کی طرف جا نکلا۔ وہاں  
 کتسی غریب کا لڑکا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ شہزادہ نے  
 اُس سے مچھلیاں مانگیں۔ اُس نے ایک مچھلی تو دے دی  
 پھر جو مانگی نہ دی۔ شہزادہ نے کچھ سختی کی۔ وہ ان سے  
 عمر میں بڑا تھا اُس نے انہیں خوب مارا۔ کی طرح یہ  
 خبر ملکہ کے حضور میں بھی پہنچ گئی۔ ملکہ نے اُس لڑکے کو  
 بلا کر بہت آفریں کی اور کہا۔ شاہ باش! تم بڑے غیرت دار  
 اور بہادر ہو کہ بادشاہ کی اولاد سے بھی نہ ڈرے۔ پھر اُسکو  
 شہزادوں کے ساتھ تعلیم و تربیت کرایا اور تجارت  
 کے لیے روپیہ دیا۔ اُسی ملک میں ایک جزیرہ ہے  
 وہاں اُس کے برابر کوئی سوداگر نہیں۔

دیکھو علم والوں کا ایسا خلق ہوتا ہے۔ آج ایک  
 ادنیٰ ماں کا ایک روپیہ سے دو روپیہ مہینہ ہو جاتا ہے  
 تو سیدھ منہ سے بات نہیں کرتی اور جو دو دلا تو نکلی  
 وارث ہے اُس کا یہ حال ہے۔ یہ سارا علم کا ظہور ہے۔  
 غرض اماں جان یہی باتیں کر رہی تھیں کہ اس میں

مغلانی جی بھی چلی آئیں۔ اُس روز دن کو یہ ہوا تھا کہ ہمارے کنبے کی دو ایک لڑکیاں آگئی تھیں۔ میں جو اُن سے باتوں میں لگی مغلانی پاس جانا بھول گئی۔ جب یاد آیا تو اُس وقت دس بج چکے تھے وہ میرے لکھنے کا وقت تھا اس لیے نہ گئی۔ اب جو میں نے مغلانی کی صورت دیکھی دل میں سمجھی کہ یہ ضرور اس وقت تیری فریاد کریں گی۔ اماں جان کے ڈر سے کچھ بہانا کر کے نل گئی۔ میرے پیچھے مغلانی نے خوب کان بھرے۔ اناجیان اُس وقت تو سنکر چپکی ہو رہیں۔ دوسرے دن جب وہی وقت آیا تو مجھے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ پہلے تو خفا ہوئیں پھر رسان میں سمجھانے لگیں۔ بیٹیا! علم بادشاہ ہے اور ہنر اُس کا وزیر ہے۔ جیسے بادشاہ بغیر وزیر کے نکمّا ہوتا ہے اسی طرح علم بغیر ہنر کے دنیا میں کچھ کام نہیں آتا۔ عورتوں کو جو علم پڑھاتے ہیں اسیلے پڑھاتے ہیں کہ بُری عادتیں چھوڑ دیں۔ اچھی عادتیں اختیار کریں۔ خدا رسول کو پہچانیں۔ گھر کا

۱۰ شکایت کی ۱۰ دھمکایا۔ نثر مندرجہ کیا۔

بند و بست اچھی طرح کریں۔ اولاد کی تربیت کرنی  
 سیکھیں۔ خاوند کا دل ہاتھ میں رکھیں۔ عورتوں کا  
 علم اڑے وقت میں کبھی کام نہیں آتا۔ وہاں آتا ہے تو  
 اپنے ہاتھ کا ہنر ہی کام آتا ہے۔ کیا تم اس بات پر بھولی  
 ہو کہ باپ کے گھر میں خدا کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ داری  
 ایسا خیال ہرگز نہ کرنا۔ بس خدا بڑی گھڑی ہی نہ لائے  
 نہیں تو ایک دم میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ ہماری تو  
 کیا بساط ہے؟ جب بڑا وقت آتا ہے تو ملک کے دارت  
 ایک ایک روٹی کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ خیر نادر گردی  
 اور شاہ گردی کو تو ایک زمانہ گزرا اُسے جانے دو۔  
 یہ تو کل کی بات ہے کہ جب غلام قادر نے شاہ عالم  
 کی آنکھیں نکالیں تو قلعہ اور شہر پر کیسی کیسی مصیبتیں  
 جن امیرزادیوں کے سامنے دس دس نوکریں کام کرنیکو  
 ہر وقت موجود رہتی تھیں وہ آپ بُرقع اوڑھے گلی گلی

۱۵ مصیبت کے وقت ۱۵ نازاں ۱۵ بادشاہ ۱۵ نادر شاہ

کے وقت کا انقلاب ۱۵ بہت عرصہ

اماں گیری کی نوکریاں ڈھونڈتی پھرتی تھیں اور کوئی  
 نہ پوچھتا تھا۔ اور جو ٹکے کی مزدوری کر کے کھاتی تھیں انکو  
 خدا نے اُس وقت بھی سب کچھ دے رکھا تھا۔ اور بتو!  
 یہ بڑی بیوقوفی کی بات ہے کہ مردوں کی کمائی کے بھروسے  
 پر آپ ہنر پیشہ کچھ نہ سیکھیں۔ انگریزوں سے زیادہ تو  
 بیویوں کی خاطر داری جہان میں کوئی نہ کرتا ہوگا اور آنکے  
 مردوں کو آج خدا نے دے بھی سب کچھ رکھا ہے۔ لیکن  
 سنا جاتا ہے کہ اُن کے ہاں ہنر سے خالی کوئی عورت  
 نہیں ہوتی۔ ایسے ایسے کام کرتی ہیں کہ کیا کوئی مرد کرے گا۔  
 اور تو اور ہماری شاہزادی ملکہ وکٹوریہ کو جہاں اور  
 بیسیوں ہنر آتے ہیں ایک تصویر ایسی کینچتی ہیں کہ کوئی اور  
 کینچتا ہوگا تو اتنی ہی کینچتا ہوگا۔ بھلا جب ملک کی مالک کا  
 یہ حال ہو تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ سنو! میں جو تم سے  
 ہر بات پر اتنی مغز زنی کرتی ہوں کچھ اپنے لیے نہیں کرتی  
 تمہارے ہی فائدے کے لیے کنتی ہوں۔ اب تو کیا مگر بڑی  
 غریب لوگ تو ایک طرف رہے۔

ہو کر ان باتوں کی قدر جانو گی۔ اس وقت تو ہماری خفگی  
 تم کو بیشک بری معلوم ہوتی ہو گی لیکن اب کوئی دن جاتا ہے  
 کہ اس خفگی کو یاد کرو گی۔ ہاں میں ہاں ملانے والے تو  
 بیسیوں مل جائیں گے پر خفا ہونی والا ہمارے بعد کوئی نہیں  
 ملنے کا۔ غرض بارہ بجے تک اس طرح کی نصیحتیں کرتی  
 رہیں۔ پھر سب اٹھ کر اپنے اپنے بچھونوں میں جا سوتے ۛ

# پوتھی مجلس

زبیدہ خاتون کا باقی بیان

جب مجھے سینا پر دنا - پکانا رینڈھنا اچھی طرح آ گیا اور اماں جان نے یہ جان لیا کہ اب یہ کسی کام میں رکنے والی نہیں - ایک ایک کھانا بیس بیس پچیس پچیس بار مجھ سے پکوا کر دیکھ چکیں - سینے پر دنے کے کام میں تپچی - بچہ - ترپنا - چہانٹنا - قطع کرنا - سب باتوں میں میری طرف سے خاطر جمع کر چکیں - آگے چل کر جالی - کشیدہ اور گوٹے ٹپے کے کام بھی مجھ سے بار بار لے چکیں تو ایک دن اسی معمولی وقت پر مجھے بلا کر پہلے تو کچھ اور باتیں کرتی رہیں پھر فرمانے لگیں سنو اماں! آدمی جو ہنر سیکھتا ہے یا تو خوشی سے سیکھتا ہے یا لاچار سے - اور جو کام کرتا ہے یا تو اپنے شوق سے کرتا ہے

۱۰ محبت سے پیشی کی جگہ اماں کہا ہے -

یا کسی کے دباؤ سے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ جو بات دل کی  
 آسنگ سے ہوتی ہے اُس سے کبھی جی نہیں گھبراتا اور  
 دل لگتا ہے۔ اور جو کام ایکبارگی سر پر آپڑتا ہے وہ بہت  
 دُوبھر معلوم ہوا کرتا ہے۔ آج تم کو ماں باپ کے گھر میں  
 خدا نے نوکر چاکر سب کچھ دے رکھے ہیں جو تم چاہو تو ہلکر  
 اپنے ہاتھ سے پانی نہ پيو۔ تمہارے زبان کے ہلانے میں  
 خدا کے فضل سے سب کام ہو سکتے ہیں۔ جو چاہو کہاؤ۔  
 جو چاہو پہنو۔ اپنی نیند سوؤ۔ اپنی نیند اٹھو۔ کوئی تمہارا  
 مزاحم نہیں۔ پڑواری! سدا ماں باپ کے گھر رہنا نہیں  
 اب کوئی دن میں تم کہیں ہوں گی ہم کہیں ہوں گے۔ اول تو  
 ہماری زندگی ہی کے دن کی ہے۔ آج مَوے کل دوسرا دن  
 اور حیب تم بیاہی گئیں پھر ہم جیتے بھی رہے تو تمہارے  
 کس کام کے؟ اور یہ کسے خبر ہے کہ تم غریب گھر جاؤ یا  
 امیر گھر۔ اور جو امیر گھر بھی ملا تو وہاں اس طرح بے فکری سے  
 ایک گھڑی بھر نہیں بیٹھ سکتیں۔ اگر اس نندیں موجود  
 لے مشکل۔

ہیں تو کئے دن کے لیے۔ نند آخر کسی نہ کسی دن بیاہی جائیگی  
 پھر وہ کہاں اور تم کہاں؟ یہی ساس۔ سواول تو آجتک  
 کہیں ساس بہو کی ایک جگہ رہتی نہیں اور جو بہتی بھی تو  
 کب تک؟ ماں باپ اور ساس سسرے کسی کے سدا  
 جئے ہیں نہ جئیں۔ رہا خاوند۔ سو وہ مرد ذات ہے اُس کو  
 گھر کے دھندوں سے مطلب کیا؟ غرض ہر پھر کر ایک دن  
 سارا بوجھ تمہیں کو اٹھانا پڑے گا۔ لڑکی پھوڑ ہو یا سگھر  
 ماں باپ کے ہاں تو سب نبھ جاتی ہے۔ پڑ خدا نہ کرے جو  
 کسی بیٹی سسرال میں جا کر پھوڑ کھلائے۔ اگر ساس نشیں  
 صاحب سلیقہ ہوئیں تو اُس کی بات بات پر شہیں گی۔ اسکے  
 ہر ایک کام پر شہے ماریں گی۔ اُس کے میکے کو نام دھرننگی  
 اور جو اپنے بیر کے رشتہ پر آگئیں تو خاوند کے آگے برائیاں  
 کر کر کے اُس کے دل سے گرا دیں گی۔ اور جو وہ بھی اسی کی طرح  
 احمق اور بیوقوف ہوئیں تو چار دن میں لاکھ لاکھ خاک ہو جائیگا۔

۱۰ موافقت نہیں ہوئی ۱۱ بے سلیقہ ۱۲ سلیقہ والی۔

۱۳ عیب نکالیں گی ۱۴ دشمنی۔

اس کہنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ اب تم خدا کے فضل سے ہشیار ہوئیں۔ جسوقت لکھنے پڑھنے سے فراغت ہو کر گھر کا انتظام کیا کرو۔ اب مغلائی پاس گھنٹہ گھنٹہ بھر بیٹھنا اور باور چنجانہ کا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرنا کچھ ضرور نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اب سینے پر دے یا پکانے رینڈھنے کا کیسا ہی مشکل کام ہو تمہارے آگے رکانہیں رہنے کا۔ باہر کے خرچ کی تو مردوں کو خبر ہوگی مگر دو سو روپیہ مہینا جو گھر میں اٹھتا ہے اس کا حساب دو زمرہ لکھ لیا کرو۔ اس میں کچھ زیادہ بکھیرا نہیں ہے کیونکہ میں نے ادھار کا کام ہی نہیں رکھا۔ ناک پر ٹکار کھڈیا اور چیز منگالی۔ میرے نزدیک پیسا ہوتے ساتے اچاپت میں سودا منگانا بڑی بوقوفی کی بات ہے۔ آگے بازار کا قرض کرنا تمہارے ابا کی بھی چڑھے اور جب مہینا تمام ہوا کرے تو سارے مہینے کا حساب صاف کر کے مجھے سنا دیا کرو۔ دیکھنا یہاں نوکروں میں سے تو

۱۰ قرض چیزیں خریدنا ۱۱ نقد دام دیدیے ۱۲ جب موجود ہو

۱۳ قرض۔ ادھار۔

کوئی نہیں بیٹھی؛ میں نے کہا۔ نہیں کوئی نہیں۔ آپ  
 فرمائیے۔ کہا یہ جو روز بازار سے سودا آتا ہے اس میں یہ  
 نامرادیں بڑی کتر بیونت کرتی ہیں۔ دستوری بٹے کے  
 سواروپیہ پچھے چار آنے تو ان کے باپ دادا کے ہیں۔  
 جب تک میرے ہاتھ پاؤں چلتے رہے اور دل ٹھکانے  
 رہا میں نے ان کا داؤں نہیں چلنے دیا۔ اب برس برس  
 دن سے میں تو بالکل اپاہج ہو گئی ہوں۔ چلا پھرا مجھ سے  
 نہیں جاتا۔ یاد مجھے کچھ نہیں رہتا۔ کہتی کچھ ہوں لکلتا کچھ  
 ہے۔ کل کل جھک جھک سے میرا آپ جی گھبراتا ہے  
 جو ان کا جی چاہتا ہے سو کرتی ہیں۔ ایک روپیہ میں آٹھ  
 آنے کہا گئیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں اور جو روپیہ کاروپیہ  
 ہی رٹے میں ڈال دیا تو کوئی حساب لینے والا نہیں۔  
 بیٹا! اب ان کا بند و بست تم کو کرنا چاہیے۔ ان کا علاج  
 یہی ہے کہ سفنی۔ حلال خوری۔ کنوٹن۔ پنہاری۔ مالن  
 دانی اور اور باہر کی پھرنے والیاں جو گھر میں آتی جاتی  
 لے تکرار۔ مجھدا سے بھول چوک۔

ہیں ان کو ہر ایک چیز کا بہاؤ تاؤ خوب معلوم ہوتا ہے۔  
 کبھی کبھی ان سے بازار کا نرخ پوچھتی رہا کرو۔ جس  
 چیز میں کچھ فرق دیکھا وہی لانے والے کے سر سے مارا  
 اور سودا منگانے کا یہ دستور رکھو کہ سوکھی جنس جس کے  
 بگڑ جانے کا ڈر نہیں جیسے نمک۔ تیل۔ گہی۔ مصالح۔ گڑ۔  
 شکر۔ کھانڈ۔ چھالیا۔ زردہ۔ الائچی۔ کتھا۔ چوننا وغیرہ انہیں  
 جو جو چیز اپنی اپنی فصل میں سستی آتی ہے وہ تو فصل کی  
 فصل اور باقی مہینے کے مہینے منگالیا کرو۔ رہی ترکاری  
 گوشت۔ دہی۔ دودھ وغیرہ یہ روز کے روز منگالیا۔  
 پر ہمیشہ ایک ہی آدمی کے ہاتھ چیز منگانی اچھی نہیں۔ خدا  
 کے فضل سے گھر میں کئی عورتیں نوکر ہیں۔ آگے دو آدمی  
 ڈیوڑھی پر رہتے ہیں۔ کبھی اس سے منگالیا کبھی اس سے  
 منگالیا۔ اس میں ذرا لانے والے کو خوف رہتا ہے۔ رہا  
 اناج۔ سوتم کو منگانا ہی نہیں پڑنے کا۔ فصل کے سرے  
 پر خدا کے دیے گیہوں۔ چنے۔ باجرہ۔ جوار۔ مسور۔ مکئی

۱۵ اسکے علاوہ۔

سال بھر کے خرچ کے موافق آہی جاتے ہیں۔ اس کے  
سوار روز صبح شام کو ٹھیٹھا میں آپ جا کر آنا۔ وال۔ گھی  
چانول۔ کمانڈ۔ جتنا خرچ دیکھو اپنے ساتھ لے کر دیا کرو  
گھر میں جو خرچ روز مرہ اٹھتا ہے اُس کا تو ایک اندازہ  
باندھ لو۔ روز اُس کے موافق دیدیا کرو۔ اور جو کسی دن  
کوئی نئی چیز کی یا کسی کے ہاں دعوت بھیجی ہوئی یا کوئی  
مہمان آگیا تو اسی قدر جنس بڑھادی اور کبھی کبھی تھوڑی  
دیر کو آپ بھی باور چھانہ میں جا کر بیٹھا کرو۔ اور کچھ نہیں  
نمک ہی چکھ لیا۔ ترکاری ہی چھیل لی۔ مصالح ہی بھون لیا  
اس میں کئی فائدے ہیں۔ پکانے والی کو خوف رہے گا۔  
بے پروائی سے کام نہیں کرنی۔ کھانا اچھا پکے گا۔ اور  
تم کو بھی یہ عادت پڑی رہے گی۔ اسکے سوا پسانی کے  
لئے روز دھون دس سیر گیہوں چھڑوا پھنکو اگر علیحدہ  
مشکوں میں بھروادیا کرو۔ جب پسناری آئے اناج تو لکر  
موا سے دیدیا اور آٹا تول کر اُس سے آپ لے لیا اور

۵۔ جس مکان میں کمانے کی جنس رکھی جائے۔

اُس کی پسائی روز کی روز حساب کر کے دے دی اور گھوڑے نیلوں کے لیے دانہ اپنے سامنے تلو کر باہر مسجد لگا کر جب کھانا پاک کر تیار ہو جایا کرے اور تمہارے ابا دیوان خانہ سے گھر میں آجایا کریں تو چوٹھے پر بیٹھ کر اپنے سامنے کھانا نکلو ایا کرو۔ پہلے جو باہر کوئی مہمان ہو اسکے لیے خاصگی کھانے میں سے کھانا بھیج دیا کرو۔ پھر اپنے ابا کے پیسے روٹیوں کا دسترخوان اور دال سالن کی رکابیاں سینی میں لگا کر آپ لو الایا کرو۔ پہلے اپنے ہاتھ سے دسترخوان چننا پھر چلمی آفتاب لے کر ان کے ہاتھ دہلوائے۔ جب وہ کھانے پر بیٹھ گئے یہاں تو لماں کو پانی پلانے پر چھوڑا اور آپ باور چخانہ میں چلی گئیں۔ اگر کوئی چھپنے والی گھر میں مہمان ہوئی تو اُس کے اور اپنی استانی جی کے لیے کھانا لے کر دوسرے مکان میں چلی گئیں اور سب نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا۔ اور جو کوئی مہمان نہ ہوئی تو پہلے آپ استانی جی کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ پھر صرفی

شاہ گھر کے موز آدمیوں کا کھانا۔ ۱۰۰ سونے کھانا۔

کمانے میں سے باہر کے نوکروں کو باہر بھیج دیا۔ اندر کی  
 نوکروں کو اندر دیدیا۔ آٹا اتنا پکوا یا کرو کہ سقے حلال خوری  
 کو دیکر ایک آدمی کی خوراک بچ رہا کرے۔ اکثر مہانوں  
 کے ساتھ بال بچے ہوتے ہیں خدا جانے کس وقت کمانا  
 مانگ بیٹھیں۔ اور تھوڑا بہت گوشت کسا ہوا ہر وقت  
 تیار رکھا کرو شاید وقت ہی وقت کوئی مہمان آجائے تو روٹی  
 ہی کی فکر کرنی پڑے۔ جب سب کمانا کھا چکے پاندان کہو لکر  
 گلو ریاں بنائیں۔ جو باہر بھیجنی ہوئیں خاصدان میں رکھ کر  
 باہر بھیج دیں۔ جن جن کو گھر میں دینی ہوئیں گھر میں دیدیں  
 وال سالن کی رکابی جہاں کہیں بھیجا کرو اُس پر سر پوش  
 ضرور ڈھک دیا کرو اور کمانا سینی میں لگا کر بھیجا کرو۔  
 دسترخوان ہمیشہ اُجلا اور باسن قلعی دار رہیں۔ پان کی  
 گلو ریاں جو باہر بھیجو سادی بنا کر بھیجا کرو اور زردہ خاصدان  
 میں جُدا رکھ دیا کرو۔ پان میں چُونہ اندازہ سے کم لگایا کرو۔  
 جب یہ ہو چکا اب اماں سے کہہ کر سارے برتن منجھوائے  
 اور گن کر کوٹھری میں رکھو ادیے۔ برتن آٹھویں دن نہیں تن

پندرہویں دن ضرور قلعی کمر دایا کرو۔ پتیلیوں پر دوسرے  
 تیسرے دن تلاجڑھوا دیا کرو۔ دسویں پندرہویں پوسے  
 لپو لپے۔ چھٹے چھماٹے مصالح پینے کی تیل چکڑ ہے۔ ت  
 رہوالی۔ اور سب سے زیادہ پانی کا خیال رکھنا چاہیے۔  
 پانی کے مشکے اور ٹھیلیاں کھلی نہ پڑی رہیں۔ دھکنے اور  
 پانی نکالنے کے ڈونگے ان پر ہر وقت موجود رہیں۔ پانی  
 پینے کا ہو یا برتنے کا ایسی جگہ رکھنا چاہیے جہاں دھوپ  
 نہ آتی ہو۔ باسی پانی کی ٹھیلیاں جدا اور تازہ کی جدا رہیں  
 سقے کو یہ تاکید رہے کہ کبھی باسی میں تازہ اور تازہ میں  
 باسی پانی نہ ملنے پائے۔ اسی پانی کے ہیر پھیر سے بیسیوں  
 بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ تیل کا ایک اندازہ باندھ لو کہ گھر  
 میں اتنا جلتا ہے اور ڈیوڑھی اور دیوانخانہ میں اتنا جلتا ہے  
 اور یہ دیکھ لو کہ اسمیں کوئی چراغ بجا تو نہیں جلتا۔ اور کہاں  
 کہاں کب تک جلتا ہے؟ جب یہ معلوم ہو گیا۔ اب روز  
 شام کو اٹھیں اور اسی حساب سے تول کر لو کر کے حوالہ کیا

۱۰ چھٹے مینے۔

دھوبن کو کپڑے جب دو۔ گن کر دو۔ اور اُس سے جب لو  
گن کر لو اور جو یاد نہ رہ سکے تو لکھ لیا کرو۔ جب میلے کپڑے  
اُتر لکریں تو مردانے الگ اور زنانے الگ بندھوا کر رکھوا  
دیا کرو۔ دھوبن آئی لے گئی اور ایک ایک کپڑا سے دکھا کر دیا کرو۔ ایسا نہو کہ  
وہ کوئی کپڑا پھاڑا اور کپے میرے ہاں پھبھی گیا تھا۔ برتن نہیں دو چار بار کپڑوں کو  
دھوپ بھی دے لیا کرو اور جس میں پشمینہ اور ریشمی کپڑے کا  
اور بھی زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ جب جاڑا آنے کو ہو تو  
جز اول نکال کر دیکھو کہ کون کونسا کپڑا پھسا پرا نا ہے اور  
کون کونسا پہنے اور نہنے کے قابل ہے؟ جو کپڑا ایسا دیکھو  
کہ نئی روئی ڈلوانے سے یا ادھر ڈرا کر رنگوانے سے یا گوٹ  
سجاف۔ استر۔ ابرہ بدلنے سے خاصا ہو جائیگا اُس کو  
دُرسٹ کرالو۔ اور جو کہیں سے نہ گیا ہو اُسے ویسا ہی رہنے  
دو۔ اور جو زیادہ پھسا پرا نا ہو اُسے کسی ماہاں اسیل نو کر چاکر  
کے دینے کو الگ نکال رکھو۔ اور جس قدر نیا کپڑا بنوائیگی  
ضرورت دیکھو اُس کو ایک فرد پر لکھ لو تاکہ بار بار بازار سے

شہ خاص کر۔

منگانا نہ پڑے۔ جو پرانی روئی نکلے اُس کے دوار سے یا  
 شطرنجیاں بنوالیں یا نئی روئی سے بدلوایا اور نئی روئی  
 کی جتنی ضرورت ہوئی مول منگالی۔ کھاری سے پانچ چار  
 انگلیٹھیاں منگالیں۔ ماہاں پر ہمیشہ تاکید رکھی کہ جس قسم  
 باور پینچانہ میں لکڑیاں جلا کر اُن کے کویلے روز بجا لیا کرے  
 اور باور پینچانہ پر پود چھتی ہے اُسے ڈال دیا کرے۔ اگر  
 ایسا ہوتا رہے گا تو جاڑہ میں انگلیٹھیوں کے لیے بازار سے  
 کویلے مول منگانے نہیں پڑنے کے۔ اسی طرح گرمیوں کی  
 آمد میں مکان پر سفیدی کرانی۔ چھتوں میں پنکھے لگوانے  
 چمن کی درستی کرانی۔ پانی کے مشکے بدلنے۔ گرمی کے  
 کپڑے کی فکر کرنی اور برسات سے پہلے مکان کی مرمت  
 کرانی۔ کچی چھتوں پر مٹی ڈلوانی۔ پکی چھتوں کی درز بندی  
 کرانی۔ بندر نو کھلوانی۔ پرنا لے صاف کرانے۔ یہ سب  
 باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔ مکان جہاں تک ہو اجلا اور  
 صاف رہے۔ چلچلی کا پانی دو نو وقت پہلو اویا جائے۔  
 وضو کے بوٹے غانگ کی چوکی پر سے نہ جانے پائیں۔ مکان کا

فرش میلایا جاکرے تو فوراً بدلوا دینا چاہیے۔ روز  
 صبح اٹھ کر اماں سے اندر کے فرش پر اور حلال خوری سے  
 سارے گھر میں اپنے سامنے جھاڑو دلوایا کرو۔ تخت۔ چوکی  
 پیڑھا۔ گھڑونچی۔ پلنگ کے پائے۔ پٹی۔ سیروا۔ جو چیز  
 ٹوٹ گئی تڑت بھج کر درست کر امنگائی۔ برسات کے سوا  
 اور سب دنوں میں آٹھویں دسویں پلنگوں کی ادوائنیں  
 کچھوادیں۔ اماں پر تاکید رکھو کہ چولہوں کی راکھ روز نکال کر  
 ایک جگہ کھٹی کر دیا کرے اور حلال خوری سے کھدو کہ  
 ہمیشہ ٹوکے میں بھڑک کر گھڑے کے ساتھ اٹھالیا جاکرے  
 چھالیا جتنی روز اٹھتی ہے رات کو بیٹھ کر کچھ آپ کترلی  
 کچھ انا سے کتر والی۔ یہ نہ ہو کہ وقت پر چھالیا کترنی پڑے۔  
 بعضی دفعہ پچاس پچاس بگوریوں کی مانگ باہر سے آجاتی ہے  
 اس وقت اگر چھالیا کتری ہوئی نہیں ہوتی تو بڑی وقت  
 پڑتی ہے۔ پانڈان کو روز صبح اٹھتے ہی اماں سے صاف  
 کرانا چاہیے۔ بعضی ٹپوڑیں پانڈان کو ایسا رکھتی ہیں کہ  
 لہ پانتیاں۔

اُس کے دیکھنے سے گھن آتی ہے۔ باغ میں سے جو روز  
ڈالی آتی ہے اُس میں سے تھوڑی سی کنبے میں اور کچھ  
ہمسائی کے ہاں بھیجا کر دو۔ اور گاؤں گوین سے آم۔  
بٹے۔ دودھ۔ رس۔ جو کچھ آیا کرے اُس کو بھی اسی طرح  
بانٹ دیا کرو۔ جو اس میں سے کچھ بچ رہا تو جتنی ضرورت  
ہوئی اتنا گھر کے خرچ کو رکھ لیا اور باقی نوکروں کو دے  
دلا دیا۔ اپنے ہاں جو کوئی مہمان آئے اُس کی جہاں تک  
ہوسکے خاطر داری کرنی چاہیے۔ اُس کو کھانے۔ پینے  
سونے۔ بیٹھنے۔ زردہ۔ پان۔ کی طرح کی تکلیف نہ ہونے  
پائے۔ جس کے کوئی لڑکا بالاساتھ ہوا اُس کو کبھی گود  
میں لے لیا۔ کبھی بازار سے کچھ سودا منگا دیا۔ کھانے کیلئے  
وقت بیوقت پوچھتی رہیں۔ جب کوئی نئی چیز پکا کرے تو  
تھوڑی بہت ہمسائی کے ہاں بھی ضرور بھیجا کر دو۔ فقیر  
فقرا جو دروازہ پر مانگنے آتے ہیں انہیں کبھی خالی نہ جانے  
دیا کرو۔ باہر کی عورتیں جو روز کی آنے والیاں ہیں۔ اُنکے

لہ نفرت۔

سو جب کوئی نئی عورت گھر میں آیا کرے اُس سے ذرا  
 ہشیار رہا کرو۔ بے تکلف بات چیت کرنے نہ بیٹھ جایا کرو  
 ہر کسی سے جھٹ پٹ گھل مل جانا عیب میں داخل ہے۔  
 اسی طرح حق ناحق ایک ایک سے کانا پھوسی کرنی بھی  
 اچھی نہیں۔ اس میں اوروں کو طرح طرح کے شک  
 ہوا کرتے ہیں۔ ہاں جو کوئی ایسی ہی بات چھپانیکے قابل  
 ہوئی تو مضائقہ نہیں۔ روز فرمت نہ لے تو دوسرے تیسرے  
 دن ضرور سر میں آٹو لے یا کھلی ڈال کر نہانا چاہیے۔ کپڑے  
 جہاں تک ہوں اُچلے رکھنے چاہئیں۔ غرض آٹھ سات  
 گنٹے جو سونے کے ہیں ان کے سوا ایک ساعت ایک  
 گھڑی بیکار نہ بیٹھو۔ اور ایک ایک لمحہ ایک ایک پل کو  
 جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھو۔ بیٹا تم اپنے جی میں کہتی تو ہوگی  
 کہ اماں نے مجھے کس توالی میں ڈال دیا۔ ایک ہی بار پہاڑ کا  
 پہاڑ میرے سر پر رکھ دیا۔ نہ داری! ایسا خیال دل میں  
 نہ لانا۔ کام کرنے کی قدر تم کو جب معلوم ہوگی جب زمانہ کی  
 ملے نصیبت۔

اونچ نیچ سے خبردار ہوگی۔ سنو! آدمی کو چاہیے کہ  
 اول اپنے جی میں یہ سوچے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے کس کام  
 کے لیے بنایا ہے؟ آخرت میں کون کونسی باتیں میرے  
 کام آئیں گی؟ اور دنیا میں میری عزت آبرو کیونکر بنی  
 رہے گی؟ اور یہ جو بعض آدمی کہتے ہیں کہ جس طرح ہوزندگی  
 عیش اور آرام کے ساتھ بسر کیجے۔ سوا اول تو یہ نرا خیال  
 ہی خیال ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ راحت کے  
 ڈھونڈنے والے ایسی چیز ڈھونڈتے ہیں جو دنیا میں  
 پیدا ہی نہیں ہوتی۔ اور جو یہاں تھوڑی بہت آسائش  
 ہے بھی تو کچھ مال و دولت پر یا جاہ و منصب پر یا شہنے  
 بولنے پر یا اچھا کمانے اچھا پہننے پر موقوف نہیں۔ آدمی  
 کیسا ہی محنت اور مشقت کا کام کرے جہاں چند روز میں  
 اسکی عادت پڑی پھر اس کی برابر کوئی کام آسان نہیں  
 معلوم ہوتا۔ اور اس کو محنت کا ایسا مزہ پڑ جاتا ہے کہ  
 ایک دم بھر نکمٹا بیٹھتا ہے تو اس کا جی گھبرانے لگتا ہے۔  
 پس نہاریاں جو برابر برابر بیٹھ کر چکیاں پیستی ہیں۔ اور

پنھیاریاں جو پنکٹ سے دودو مٹکے سر پر رکھ کر لاتی ہیں اور چوڑی والیاں جو دن بھر بیٹھی دیدہ ریزی کرتی ہیں اور گھوسنیں جو دن بھر اُپلے تھاپتی ہیں۔ اور کسانوں کی عورتیں جو جیٹھ بیساکھ کی گرمی میں چار چار پہنل جو تنے اور اناج گاہنے میں کاٹ دیتی ہیں۔ اگر اُن کے دل کو دیکھو تو بڑی بڑی رانیوں اور بیگموں سے بھی زیادہ خوش و خرم پاؤ۔ تمہارے ابا ذکر کرتے تھے کہ ابک لڑکا جو وہ پندرہ برس کی عمر کا کسی قصور میں دس برس کو قید ہو گیا۔ جب قید بھگت چکا تو اُس کے چھوڑنے کے لیے حاکم کے سامنے لائے۔ اُس نے کہا۔ اگر سرکار میری خاوندی کرے تو پھر مجھے جیل خانہ ہی میں بھیج دے۔ جس طرح پہلے مجھ کو جیلخانہ میں جانے سے ڈر لگتا تھا اب وہاں سے نکلنا وبال معلوم ہوتا ہے اور اگر سرکار نہ بھیجے گی تو قید ہونے کے لیے پھر چوری کروں گا۔ حاکم نے اُسے نوکر رکھ کر جیلخانہ میں بھیج دیا۔ پھر ساری عمر اُس نے وہیں کاٹ دی اسی طرح وہ کہتے تھے کہ جب میں پنجاب کو گیا۔ اُن دنوں

میں گرمی بہت سخت پڑتی تھی۔ ایک دن چلتے چلتے راہ ہی میں  
 دوپہر ہو گئی۔ ایک درخت کے سایہ میں ٹھہر گیا۔ تھوڑی  
 سی دیر میں اُدھر سے ایک پنس آئی۔ اٹھ کھار۔ ایک  
 بہشتی۔ دو خدمتگار ساتھ۔ پنس کے دو نو طرف خس کے  
 پردے چُٹھے ہوئے۔ بہشتی برابر پانی چھڑکتا چلا آتا ہے  
 سامنے کچھ اور درخت سایہ دار تھے وہاں آن کر ٹھہری۔ برابر  
 کواں اور حلوائی کی دوکان تھی۔ کھاروں نے پنس کو تو  
 وہاں پنکا اور آپ کوئیں پر جا کر مونھ ہاتھ دھویا اور حلوائی  
 کی دوکان سے پوریاں لیکر دھوپ ہی میں کھانے بیٹھ گئے۔  
 اور کھاپی کر ڈنلی بجانی اور گانا شروع کیا۔ اُدھر جو اُن کو  
 دیکھتا ہوں تو پنس میں پڑے ہائے وائے کے نعرے مار  
 رہے ہیں اور بار بار بہشتی سے پانی چھڑکواتے ہیں۔ میں نے  
 اُن کے خدمتگاروں سے پوچھا کہ یہ کیا بیمار ہیں؟ انہوں نے  
 کہا۔ صاحب! بیمار تو کچھ نہیں گرمی کے مارے گھبرا رہے ہیں  
 میں نے اپنے دل میں کہا۔ سبحان اللہ! کیا خدا کی شان ہے

۱۵۔ جلدی سے زمین پر رکھ دیا۔

یہ قیامت کی دھوپ اور یہ پتی زمین اور ننگے پاؤں اور  
پینس کا کندھے پر لانا اور خدا جانے آٹھ کوس سے لائے ہیں  
یادس کوس سے۔ اس پر کماروں کا تو یہ حال ہے کہ مزے  
سے بیٹھے دُفلی بجا رہے ہیں اور گارہے ہیں۔ اُن کی صورت  
پر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کہیں سے چل کر آئے ہیں۔ اور  
ایک یہ شخص ہے کہ پینس میں بیٹھا ہوا ہے۔ ہاتھ نہیں ہلاتا  
پاؤں نہیں ہلاتا۔ اندر دھوپ کا کہیں نام نہیں۔ خس کے  
پر دے لگے ہوئے ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سوندھی  
سوندھی خوشبو آرہی ہے۔ اس پر یہ حال ہے کہ گرمی کے  
مارے مرا جاتا ہے۔ اُس دن سے مجھے یقین ہو گیا کہ امیر  
سے لیکر غریب تک اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک سب کا  
حال خوشی ورنج میں یکساں ہے بلکہ محنتی مزدوروں کا دل  
امیروں سے بھی زیادہ خوش رہتا ہے۔ اور ہاں بہت  
دور کیوں جاتی ہو؟ یہ تو کل کی بات ہے کہ تمہارے چچا جان  
جب کچھری میں شہرہ دار تھے تو اُن کو کچھری کے کام کی  
ایسی عادت ہو گئی تھی کہ چھٹی والے دن سدا اُن کا جی

اچاٹ رہتا۔ ایک دن میں نے کہا۔ بھتیجا! یہ کیا بات ہے  
 کہ چھٹی کے دن تم کچھ سست سست رہا کرتے ہو؟  
 انہوں نے کہا۔ صاحب! میں نہیں جانتا کام میں تو  
 میرا جی خوش رہتا ہے اور جس دن کچھ کام نہیں ہوتا  
 اُس دن شام پکڑنی دشوار ہو جاتی ہے۔ غرض بنو! یہ  
 سمجھ لو کہ چین اور آرام تو ایک ایسی چیز ہے کہ آدمی جو  
 کام اختیار کرے گا اسی میں اُس کا جی خوش رہنے لگے گا۔  
 اب رہی یہ بات کہ تم کو کونسا کام اختیار کرنا چاہیے؟  
 سو بیوی! آخرت میں تو نیکی کے سوا اور کچھ کام نہیں آئیگا  
 اور جس سے دنیا میں عزت و آبرو بنی رہے۔ ماں باپ  
 اور ساس کس سے خوش رہیں۔ خاوند تا بعد رہے  
 نند بھانج۔ دیورانی جھاننی کی زبان بند رہے۔ کنبے میں  
 واہ واہو۔ ہمسائے دعائیں دیں۔ نوکر چاکر خیر منائیں۔ وہ  
 انہیں باتوں میں ہے۔ پڑھنا لکھنا۔ سینا پرونا۔ سارا  
 گھر کا کام کرنا۔ ہر ایک کے ساتھ جیسا چاہیے ویسا برتاؤ  
 برتنا۔ یہ اسی وقت تمہیں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جہاں

مہینے دو مہینے تم ان دھندوں میں رہیں پھر تم کو خالی  
 بیٹھنا خود دو بھر ہو جائیگا۔ اگر تمہارے پاس کچھ کام نہ ہوگا  
 اوروں کے کام بٹواتی پھر کروگی۔ اور بیٹا بڑا فائدہ اس میں  
 یہ ہے کہ کامی آدمی ہزاروں بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔  
 اور جس میں جوان عورت کے لیے تو نکمٹا بیٹھنا ایسا ہے جیسا  
 زہر۔ جب تک بہو بیٹی کے سر پر ہاں باپ یا ساس  
 سسرے موجود ہیں جب تک تو کچھ ایسا خوف نہیں  
 گھر کے کاروبار کرے یا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہے  
 لیکن جب خود مختار ہوئی اور کوئی بڑا بوڑھا سر پر نہ رہا۔  
 اب اگر بچپن سے کام کی عادت پڑی ہوئی ہے تو تو خیر ہے  
 اور نہیں تو وہی مثل ہوگی ”میاں میرا گھر نہیں مجھے کیسا  
 ڈر نہیں“ اور کچھ نہیں تو خالی بیٹھی کیلے شکوے  
 ہی کرے گی۔ کیلکونام ہی دھرے گی۔ آگے بچے ننگے  
 تھلے پھرتے ہیں تو کچھ پروا نہیں۔ نوکرین گھر ٹوٹے لیے  
 جاتی ہیں تو کچھ خبر نہیں۔ چھت گیری پھٹ گئی تو بلا سے۔  
 شے نکلتی۔

شے نکلتی

چاندنی سہلی ہو گئی تو پاپوش سے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس گھر کی بیوی کو کام دھندے کا کچھ خیال نہیں ہوتا اُس کے ہزار لوگریں ہوا کریں وہ اُس سے زیادہ کاہل وجود ہو جاتی ہیں۔ اور جو دور پار کوئی بُری صحبت مل گئی تو رفتہ رفتہ خدا جانے دشمنوں کی نوبت کہاں پہنچے؟ پھر باپ دادا اور ساس سسرورں کی عزت کا خدا ہی حافظ ہے۔ بیٹیا! عورت کو خدا نے اُٹی سمجھ دی ہے اس کا علاج یہی ہے کہ دن بھر گھر کے دھندوں میں پھنسی رہے اتنی فرصت ہی نہ ملے کہ اپنے دل سے مشورہ لے۔ اور جو عورت نکمٹی بھی ہو اور صحبت بھی اچھی نہ ہو اُس کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔ اور جو اپنے کام دھندوں میں لگی رہے گی اُس کو کیسی ہی بُری صحبت ہو کبھی نقصان نہیں کرنے کی۔ اس کے سوا یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ چلنے پھرنے محنت کرنے سے کہا یا پیا انگ لگتا ہے۔ ڈیل قابو میں رہتا ہے۔ بیماری کم ہوتی ہے۔ رات کو نیند خوب آتی ہے لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ نرم نرم

اطلس اور جریر کے بچھونوں میں سونا۔ اس نے کہا۔  
یہ بات میرے اختیار کی نہیں ہے۔ اگر میسر نہ ہوں تو  
کیا کروں؛ لقمان نے کہا۔ اگر دن بھر محنت کر کے رات کو  
زمین میں یا کھڑی چار پائی پر بھی سوو گے تو ویسا ہی  
آرام پاؤ گے جیسا اطلس اور جریر کے بچھونوں نے پاتے  
غرض کہاں تک بیان کروں عشا کی نماز پڑھ کر  
انہوں نے مجھے سمجھانا شروع کیا تھا آدھی رات  
گئے تک یہی باتیں کرتی رہیں۔ انہوں نے جو بات کہی  
کچھ ایسے طور پر کہی کہ تڑپ میرے جی نے قبول کر لی۔  
آخر اسی وقت توشہ خانہ اور کونھیار اور تمام صندوقوں  
اور خواجوں کی کنجیاں مجھے سونپ دیں۔ اور فرمایا۔ لوٹنا  
آج جو کچھ میرا حق تھا وہ پورا کر دیا۔ اگر میرے سر میں بوتا  
ہوتا تو تم کو روز تاکید کرتی رہتی۔ ہر بات پر ٹوکتی  
رہتی۔ جہاں تم سے بھول چوک ہو جاتی وہاں تم کو  
خبردار کر دیا کرتی۔ اب نہ میرا دل ٹھکانے نہ میرے

حواس درست۔ اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ اگر  
 ماں کا کتنا کروگی دل سے دعا نکلے گی۔ تمہاری عاقبت  
 سنورے گی۔ زمانہ تعریف کرے گا۔ سینکڑوں آفتوں  
 سے محفوظ رہو گی۔ باپ کی خفگی اٹھانے سے بچو گی۔ اور  
 ایسا نہ کیا تو آج نہیں کل بچتاؤ گی۔ رہی میری آزدگی  
 سو وہ کے دن کی ہے؛ میں پہلے ہی چلنے کو تیار بیٹھی ہوں  
 یہ بیماری میری جان کے ساتھ جائے گی۔

اماں جان کو عرق انسا کی بیماری تھی۔ پہلے تو انکو  
 مہینے میں ایک آدھ بار اس کا دورہ ہوا کرتا تھا۔ ایک  
 دو دن کے بعد آرام ہو جاتا تھا۔ پڑا برس برس  
 دن سے یہ دکھ اُن کی جان کو لگ گیا تھا۔ ہر وقت درد  
 رہتا تھا۔ چلنے پھرنے سے عاجز ہو گئی تھیں۔

غرض میں یہ باتیں سن کر رونے لگی۔ اُن کا بھی جی  
 بھرا یا پڑ دل کو تھانے رکھا۔ اور مجھے گلے لگا کر بیا کیا  
 اور فرمایا۔ احمس بیوی! رونے کی کیا بات ہے؛ جب  
 بیماری بڑھ جاتی ہے اور روز کی تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے

جی چھوٹ جانا ہے تو بیمار کو موت ہی نظر آتی ہے اور  
 خدا کے کارخانہ میں کس کو دخل ہے؟ خدا چاہے تو ابھی  
 دم بھر میں اچھا کر دے۔ جو مردہ کو زندہ کر سکتا ہے  
 اُس کو میری بیماری کھوئی کیا مشکل ہے۔ یہ کہہ کر مجھے  
 پھر گلے لگایا اور فرمایا۔ لو اب اپنی پلنگڑی پر جا کر سو رہو  
 مجھے بھی نیند آرہی ہے۔ میں اٹھی اور اپنی چار پائی  
 پر آنکے سو رہی۔ اگلے دن سے میں اُن کے کہنے  
 کے موافق سارا گھر کا کام کرنے لگی۔ جہاں پڑھنے لکھنے  
 سے فراغت پائی اور میں اپنے کام دھندے میں لگی۔  
 دو تین مہینے تو یہ حال رہا کہ رات کو جس وقت پلنگہ پر  
 جا کر لیٹی تو یہ معلوم ہوتا کہ بدن میں جلن نہیں۔ بولتی بوٹی  
 جدی دکھتی تھی۔ ڈیل جدا گرا پڑتا تھا۔ پھرتے پھرتے  
 تھک کر چھ سو جاتی تھی اور پڑتے ہی ایسی بے خبر  
 سوتی تھی کہ صبح کی نماز کو اتنا پانی کے چھینٹے دیتی تھیں  
 تو بھی میری آنکھ نہیں کھلتی تھی۔ مگر ایک خدا کا شکر  
 کہ دن بھر اس قدر تو چکر رہتا تھا اس پر بھی کبھی

میرا سرتک نہیں دکھا۔ صبح کو جہاں سوتے سے اُٹھی اور طبیعت بحال ہو گئی۔ دو تین مہینے کے بعد پھر جو مجھے کام دھندے کا مزا پڑا میں نہیں جانتی کہ مجھ میں کہاں کی طاقت آگئی تھی۔ ایک دم بھر میرا پاؤں زمین پر نہ ٹکتا تھا۔ اس میں ایک سبق آتا جان سے بھی پڑھنے لگی تھی۔ تین چار گھنٹے جو ان سے اور آستمانی جی سے پڑھنے کے تھے بس وہی تو سمجھ لو۔ ان کے سوا پھر میں نہ جانتی تھی کہ آرام سے بیٹھنا کس کو کہتے ہیں اور آج تک وہی عادت چلی جاتی ہے تم بھی دیکھتی ہو کہ میں کسی وقت نکلتی نہیں بیٹھتی اور نہ مجھے بکنا آدمی بھائے۔

# پانچویں مجلس

زُبیدہ خاتون کا باقی بیان

جب مجھے تیرھواں سال لگا اور فارسی میں گلستاں بوستاں - اخلاقِ محسنی - عیارِ دانش اور عربی صرفِ نحو کے ضروری ضروری رسالے پڑھ چکی اور حساب میں کسورِ عام اور کسورِ اعشاریہ تک سیکھ چکی اور تحریرِ اقلیدس کے دو مقالے دیکھ لئے اور ہندوستان کا جغرافیہ اور تاریخ بھی پڑھ چکی اور نسخ و نستعلیق کی تختیاں اور کچھ کچھ قطعے بھی صاف کر چکی - اب اباجان نے دو نو سبق مجھے آپ پڑھانے شروع کیے - صبح کو کیمیائے سعادت ہوتی تھی اور شام کو عربی کلیلہ دمنہ - اور آماں جان کا یہ حال تھا کہ وہ

دن پر دن گھلی جاتی تھیں۔ ضعف کے مارے یہ نوبت  
 ہو گئی تھی کہ دو آدمی بنگلوں میں ہاتھ دیکر بٹھا دیتے  
 تھے تو بیٹھ جاتی تھیں اور بنا دیتے تھے تو لیٹ جاتی  
 تھیں۔ مجھے جس وقت گھر کے کاروبار سے فرصت  
 ہوتی ان کے پاس جا بیٹھتی۔ کبھی پنکھا جھلنے لگی۔  
 کبھی ہاتھ پاؤں دا بنے لگی۔ کبھی تلوے سہلانے لگی۔  
 اور ان کو بھی میرے ہاتھ کی کچھ ایسی کلن پڑ گئی تھی کہ  
 میرے ہوتے نوکروں سے کبھی کام نہ لیتی تھیں۔  
 چند روز بعد میری منگنی بھی ہو گئی۔ اماں جان کو  
 اپنے چینے کی بالکل آس نہ تھی۔ ایک دن مجھ سے  
 فرمانے لگیں کہ بیٹیا تمہاری منگنی تو ہو ہی چکی ہے  
 اب خدا کرے گا کوئی دن میں بیسہاہ بھی ہو جائیگا  
 بزدلیکھئے یہ خوشی ہم کو بھی دیکھنی نصیب ہوتی  
 ہے یا نہیں؟ اول تو زندگی کا کسی کی بھی  
 اعتبار نہیں سانس ہے آیا آیا۔ نہ آیا نہ آیا  
 بعد میں مجھ سا پیار تو خدا ہی ہو جو اٹھے۔

خیر دُنیا سے تو ایک دن جانا ہی تھا پڑ تمہاری  
 تنہائی دیکھ کر کلیجہ مونہ کو آتا ہے - یہ حسرت قبر میں  
 میرے ساتھ جائے گی - مگر خدا تعالیٰ کا شکر  
 میرے مونہ سے ادا نہیں ہو سکتا - میری ہمیشہ  
 یہ دُعا تھی کہ الٹی اگر اولاد دے تو نیکبخت دیجیو -  
 نہیں تو ایسے صاحبِ اولاد ہونے سے بے اولاد  
 رہنا اچھا - اُس بے نیاز نے میری دُعا قبول کی  
 تم نے جیسا اپنی ماں کو خوش رکھا خدا تم کو  
 دونو جہان میں خوش رکھے - اگرچہ میں بہ خوب  
 جانتی ہوں کہ تم کو اب کسی کی نصیحت کی حاجت  
 نہیں مگر تم نے ابھی زمانہ کی اونچ نیچ نہیں  
 دیکھی - علم پڑھا ہے پڑ ابھی گنا نہیں سنو اور  
 علم بیشک بڑی دولت ہے - یہ دولت صاحب  
 نصیبوں ہی کو ملتی ہے - تمہارے باپ کا بڑا  
 احسان تم پر یہ ہے کہ تم کو پڑھا لکھا کر قابل کیا  
 میں بڑا بول تو نہیں بولتی پڑ خدا کے فضل سے

آج تم اپنے سارے کنبے میں چراغ ہو۔ لیکن  
 مجھ سے جو پوچھو تو واری! علم کا گھر بہت دور  
 ہے۔ دیکھو کبھی اپنے دل میں یہ سمجھو کہ مجھے  
 کچھ آگیا ہے۔ یہ جو اگلے لوگ کہہ گئے ہیں کہ  
 ”نیم طبیب خطرہ جان اور نیم ملاح خطرہ ایمان“  
 یہ سچ بات ہے۔ تھوڑے علم والا بعض بات  
 ایسی کر اٹھتا ہے جو ان پڑھ بھی نہ کرے۔  
 مجھے اس بات کا بڑا خیال ہے کہ تم نے اپنے  
 باپ کے گھر میں آنکھ کھول کر پڑھنے لکھنے کے  
 سوا کچھ نہیں دیکھا۔ ہمیشہ بسم اللہ کے گنبد میں  
 رہی ہو۔ تم کیا جانو کہ لوگ باپ دادا کی  
 رسموں پر جان دیتے ہیں۔ جو روپیہ پیسہ بڑوں نے  
 جان کھا کر پیدا کیا ہے اور اس لیے رکھ مرے  
 ہیں کہ ہماری اولاد کے اڑے وقتوں میں کام  
 آئے اُس کو بیاہ شادیوں میں مفت برباد  
 کر دیتے ہیں۔ اور پھر آپ چند روز میں روٹی

تک کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب  
 کوئی مر جاتا ہے تو سیکڑوں روپیہ اُس کے  
 مرنے میں لگا دیتے ہیں۔ آدمی کا آدمی گیا  
 روپیہ کا روپیہ برباد ہوا۔ آگے چل کر تیج  
 تہوار میں سیکڑوں خرچ بے فائدہ بڑھا  
 رکھے ہیں۔ غرض ہر طرح سے خدا کی نعمت کو  
 خاک میں ملا تے ہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ جسوقت  
 تم سسرال میں گئیں اور تم نے وہاں جا کر  
 ایک نئی دُنیا دیکھی اور صبح سے شام تک  
 بیسیوں باتیں تمہاری نظر سے ایسی گذریں کہ  
 نہ کبھی تم نے اپنے باپ کے گھر میں دیکھیں نہ  
 کتابوں میں کہیں اُن کا ذکر۔ نہ عقل کے نزدیک  
 انکی کچھ حقیقت۔ اس کے سوا ہر طرح سے  
 مال کا نقصان۔ اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟  
 اگر دل ہی دل میں گھٹیں اور زبان سے کچھ  
 نہ کہا تو دور پار دشمنوں کا خدا جانے کیا حال ہوگا؟

اور جو تم سے نہ رہا گیا اور کسی بات میں  
 دخل دے بیٹھیں اور لگیں اپنی علمیت جتانے  
 اُس وقت تمہارا کتنا تو کوئی کاہیکو مانے گا  
 ہاں بیٹھے بٹھائے ایک فساد کھڑا ہو جائے گا  
 ادھر تم اپنے علم پر بھولی ہوئی ہوگی۔ ادھر  
 اُن کو اپنے بزرگوں کی رسموں کا پاس ہوگا  
 ناحق اچھے دل بُرے ہو جائیں گے۔ اور ہر پھر  
 تمہیں کو سب احمق بنائیں گے۔ بیٹا! یہ بات  
 یاد رکھو کہ دنیا میں یہ دستور قدیم سے چلا آتا ہے  
 کہ جہاں کہیں کوئی بُری رسم پڑ جاتی ہے پھر  
 وہ مشکل سے جایا کرتی ہے۔ لوگوں کو اتنا  
 دین کا پاس نہیں ہوتا جتنا باپ دادا کی  
 رسموں کا ہوتا ہے۔ اور جو شخص رسموں کو  
 بُرا کہتا ہے یا اُن کو مٹانا چاہتا ہے وہی اپنی  
 قوم میں نگوٹھیرا کرتا ہے۔ رسمیں تو سبھی بُری  
 ہوتی ہیں پر بعضی حد سے زیادہ بُری ہوتی ہیں

لیکن لوگ اُن کو بھی اپنا دین ایمان جاننے  
 لگتے ہیں اور جو اُن کی رسموں کو نام دھرتا ہے  
 اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں  
 عرب کا یہ دستور تھا کہ جس کے ہاں بیٹی پیدا  
 ہوتی وہ اُسے جتنی کو زمین میں گاڑ دیتا تھا۔  
 بس اس سے زیادہ اور کیا بُری رسم ہوگی؛ لیکن  
 وہ اُس کو نہایت غیرت اور حمیت کی بات سمجھتے  
 تھے۔ اور بیٹیوں کے مار ڈالنے کا دستور تو  
 ہندوستان کے راجپوتوں میں اب تک چلا  
 جاتا ہے۔ پڑا ب سرکار کے خوف سے بہت کم  
 ایسا کرتے ہیں۔ اور کرتے بھی ہیں تو چوری چھپوں  
 کرتے ہیں۔ اسی طرح بیوہ عورتوں کے نکاح  
 کی اجازت خدا رسولؐ نے تو دے رکھی ہے  
 مگر یہاں کے مسلمانوں میں اس کا ایسا عیب  
 ہو گیا ہے کہ اُس کو بدکاری سے بھی بُرا  
 جانتے ہیں۔ اگر اُن سے یہ کہو کہ اس کا حکم

قرآن اور حدیث میں آیا ہے۔ آگے چل کر ہم جن کے نام لیوا ہیں ان کی بہو بیٹیوں نے دودھ تین تین نکاح کیے ہیں تو اس کا کچھ جواب نہیں دیتے۔ لیکن یہ جو چاہئے کہ اپنی کرنی سے باز آئیں کیا ذکر ہے؟ غرض رسموں کی محبت کا دل سے نکلنا اور گوشت کا ناخن سے چھوٹنا برابر ہے۔ آدمی کو اپنے گھر کا تو ہر طرح سے اختیار ہے جو چاہے کرے جو چاہے نہ کرنے پر آوروں سے یہ عادتیں چھوٹانی بہت مشکل ہیں۔ اس کے لیے نہایت عقلمند اور بردبار آدمی چاہئے۔ دیکھو اگر اس کام میں قدم ڈالو تو ذرا سوچ سمجھ کر ڈالنا۔ ایسا نہ ہو کہ بے سمجھے بوجھے بھڑوں کے چتے کو چھیڑ بیٹھو اور اٹلے لینے کے دینے پڑ جائیں۔ جو بات کرو ایسی خوبصورتی سے کرو کہ سانپ کا سانپ مرے اور لاشی کی لاشی نہ ٹوٹے۔

اس کے سوا سسرال میں ساس شند اور  
 دیورانی جھٹھانی کے ساتھ بناہ کرنا سب سے  
 بھاری منزل ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ  
 ساس ہو اور شند بھاوج اور دیورانی جھٹھانی  
 کی کبھی نہیں بنتی۔ واری! تم کو بھی ایک دن  
 یہ معاملہ پیش آنا ہے۔ دیکھو ساس کی تابعداری  
 اور شند کی دلجوئی میں کمی کرنا۔ زمانہ کا دستور  
 ہے کہ تالی دو لونو ہاتھوں سے بجا کرتی ہے۔  
 سوا اول تو اس گھرانے کے آدمی کیا مرد کیا  
 عورت سب اچھے ہیں۔ سو بسوے تو ان سے  
 کوئی ایسی بات ہونے کی نہیں۔ اور بندہ بشر  
 ہے جو کسی سے ایسی بات ہو بھی جائے تو تلو  
 تھل کرنا چاہیے۔ اس بات سے تمہاری جگہ  
 شوہر کے دل میں بھی ہوگی اور ساس شندیں  
 بھی آخر کو تمہارا دم بھرنے لگیں گی۔ اور اگر  
 انصاف سے دیکھو تو ان کی رنجش کچھ بیجا نہیں

ساس کی تابعداری

ہوتی۔ سچ کہنا تمہاری ماں کو جتنا لگاؤ تمہارے  
 ساتھ ہے اگر اس سے آدھا بھی کسی غیر کے  
 بچے کے ساتھ ہو جائے تو تم کو کیسا برا معلوم ہو  
 بیٹا! یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی شے میں  
 آدمی کا کوئی نیا شریک کھڑا ہو جاتا ہے  
 تو اُس کو حد سے زیادہ ناگوار گذرتا ہے۔  
 پہلے ایک شخص کو ماں اور بہن کے سوا کسی  
 سے کچھ علاقہ تک نہ تھا۔ اب اُن کی ایک  
 ایسی شریک پیدا ہو گئی جس کا حصہ اُن سے بھی  
 کچھ زیادہ ہے۔ مگر ساس ننڈیں بھی اگر  
 غور کریں تو اُن کا ناخوش ہونا کچھ راہِ سر  
 نہیں۔ آدمی کو دنیا میں ہزاروں چیزوں سے  
 تعلق ہوتا ہے۔ مگر ہر چیز کے ساتھ ایک  
 نئی طرح کا لگاؤ ہوتا ہے۔ جو ماں باپ کے  
 ساتھ علاقہ ہوتا ہے وہ اولاد کے ساتھ  
 نہیں ہوتا۔ جو اولاد کے ساتھ ہوتا ہے وہ

ماں باپ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بھائی  
 بہنوں میں کچھ اور ہی طرح کی محبت ہوتی ہے  
 میاں بیوی میں کچھ ایسی بات ہوتی ہے۔ اس میں  
 ایک کو دوسرے پر رشک کرنا بیفائدہ ہے  
 اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی جس طرح اچھا  
 کھانا کھا کر خوش ہوتا ہے اسی طرح خوشبو  
 سونگے کر اور اچھی آواز سن کر اور اچھی  
 صورت دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ مگر اچھا  
 کھانا کھانے سے جو مزا آتا ہے وہ زبان کو  
 آتا ہے۔ خوشبو سونگنے سے دماغ مسختر  
 ہوتا ہے۔ اچھی آواز کانوں کو بھلی لگتی ہے  
 اچھی صورت آنکھوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے  
 اب جو کوئی یوں کہنے لگے کہ صاحب! ان کو  
 کھانے کا کچا مزہ ہو گا یہ تو خوشبو پر جان  
 دیتے ہیں؟ یا ان کو اچھی آواز سننے کا شوق  
 ہے یہ اچھی صورت کی قدر کیا جائیں؟ تو

اُس کو سب لوگ اور تو کیا کینگے احمق ہی کینگے  
 اسی طرح ماں بہنوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ  
 ہمارا بیٹا یا ہمارا بھائی اگر بیوی کا مرید بھی  
 ہو جائے گا تو بھی ہماری محبت کہیں نہیں  
 گئی۔ جب ہمارا گوشت پوست۔ جان جگر  
 سب ایک ہے پھر بیوی کی محبت سے ہمارے  
 اُلفت کیوں جانے لگی؟ بلکہ اُن کو تو یہ  
 چاہیے کہ اگر میاں بیوی میں دُور پار کچھ  
 اُن بن ہو تو جس طرح ہو سکے اُن میں  
 بلاپ کرائیں۔ اگر میاں کے دل میں بیوی  
 کی جگہ نہ ہو تو طرح طرح سے میاں کے  
 دل میں اُس کی جگہ کریں۔ اگر لڑکا بد مزاج  
 ہو تو سمجھا سمجھا کر اُس کے مزاج کو دھیر  
 کریں۔ غرض جہاں تک ہو سکے بہو کا سہارا  
 دیں۔ اور یہ سمجھیں کہ ایک بھلے مانس کو  
 جو اپنی جان اپنا جگر ہمارے حوالے کر دیا۔

کچھ لڑکے کے بھروسے پر نہیں کیا۔ بلکہ  
 ہمارا چال چلن اور ہمارے برتاؤ دیکھ کر  
 کیا ہے۔ منگنی پیچھے کی ہے پہلے ایک  
 ایک سے یہ پوچھ لیا ہے کہ اُن کے گھرانے  
 کے مرد عورت کیسے ہیں؟ لڑکے کے ماں  
 باپ بد مزاج تو نہیں ہیں؟ لڑکے کی  
 بہنیں زبان دراز تو نہیں ہیں؟ پہلے جو  
 اُن کے ہاں قوم کی بیٹیاں بیاہی آئی ہیں  
 اُن کے ساتھ انہوں نے کیسے برتاؤ برتتے  
 ہیں؟ لڑکے کا بہت کیا پڑھنے لکھنے کا حال  
 پوچھ لیا۔ اس سے زیادہ اوّل تو کوئی  
 پوچھتا نہیں۔ اور جو پوچھتے ہیں وہ ناحق  
 پوچھتے ہیں۔ بہتیرے خوش مزاج اور  
 نیکبخت لڑکے بیاہ ہوئے پر بد مزاج بجاتے  
 ہیں۔ بہتیرے نیک چرے موندھ پھولے  
 جن کے ماتھے پر سے کسی اُن بل نہیں اترتا

بیوی سے آکر سیدھے ہو جاتے ہیں۔ پھر  
 ایسی بات کا پوچھنا کیا؟ بہر حال بیٹا! تمکو  
 اطاعت ہی کرنی چاہیے۔ تمہارا صبر و تحمل  
 کس طرح اگارت نہیں جانیکا۔ اگر اس میں  
 ساس شدیں راہ پر آگئیں تو فہو المراد۔  
 اور نہیں تو اس کا اجر خدا کے ہاں پاؤگی  
 اب رہیں دیورانی جھانی۔ سو تمہیں اُن سے  
 کام ہی نہیں پڑنے کا۔ تمہارے سسرے  
 کے ہاں چار بیٹوں میں اللہ رکھے ایک ہی  
 بیٹا ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھو کہ دیورانی  
 جھانیوں کے قصے سارے گھر بار پر ہوا  
 کرتے ہیں۔ اس کا علاج کچھ ایسا مشکل نہیں  
 اُن کے خاوندوں کو چاہیے کہ جو کچھ ماں  
 باپ چھوڑ گئے ہیں اُس کو صلح سلوک کے  
 ساتھ آپس میں بانٹ لیں۔ اور یہ خیال  
 نہ کریں کہ بھائی بھائی ایک دوسرے سے

چھوٹ جائیں گے۔ ترکہ بانٹ لینے سے  
 کچھ دلوں میں فرق نہیں آیا جاتا۔ جس بات  
 سے عمر بھر کا جھگڑا کٹے وہ اچھی یا روز  
 روز کی کل کل جھک جھک اچھی۔ بیبا! وہ جو  
 کہتے ہیں کہ سا جھے کی ہنڈ یا پورا ہے میں  
 پھوٹتی ہے یہ بات سچ ہے۔ اسی واسطے  
 اللہ تعالیٰ نے سب کے حصے بخرے قرآن  
 میں بتا دیے ہیں اور عورت ذات کی تو  
 سا جھے میں کسی سے بنی ہے نہ بنے۔ رہا خاوند  
 سو اور کوئی خوش رہے یا نہ رہے اُسکا  
 خوش رکھنا سب سے مقدم ہے۔ اگر ایک  
 وقت اُس کی بات بُری بھی لگے تو خاموش  
 ہو رہنا۔ بات بات میں اُلجھنا۔ ناشکری کرنی  
 طعنے دینے۔ بے سبب تیوری چڑھانی یوکلھی  
 صورت بنانی۔ عورتوں کی عادت میں داخل  
 ہے۔ کہیں خدا کے لیے تم ان باتوں کے

پاس نہ جانا۔ سنو! اپنوں کو خوش رکھنا کچھ  
 بڑی بات نہیں۔ آدمی وہ ہے جو غیر کو اپنا  
 کرے۔ اور خاوند کے ساتھ تو ساری عمر  
 کاٹنی ہے۔ اگر میاں بیوی کا دل ملا ہے تو  
 جنگل میں ایک درخت کا سایہ سو محلوں سے  
 بہتر ہے۔ اور جو دور پار ناموافقیت ہے تو  
 گھر دوزخ کا نمونہ ہے اور آبادی ویرانی  
 سے بدتر ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ہماری  
 بادشاہزادی ملکہ وکٹوریا جو آج دنیا  
 کے چوتھے کھونٹ کی مالک ہیں اپنے میاں  
 کی اس قدر خاطر کرتی تھیں کہ کبھی اُن کے  
 دل پر نیل تک نہ آنے دیتی تھیں۔ اور  
 میاں کے ساتھ جو اُن کو محبت تھی یہ تو  
 ایک زمانہ جانتا ہے۔ سنا ہے کہ جب  
 اُن کے میاں کا انتقال ہوا تو ملکہ معظمہ  
 بدتوں اُن کے سوگ میں رہیں اور ایک

کتاب بھی انہوں نے ساری میاں ہی کے  
 حال میں لکھی ہے۔ بیٹا! خاندانوں کا بڑا درجہ  
 ہے اس بات کو بچے باندھ لو۔ اور یہ جو  
 عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر ایک بات  
 پر اڑ بیٹھتی ہیں اور ہر ایک معاملہ میں یہ  
 چاہا کرتی ہیں کہ کچھ ہو مگر ہمارا کتنا ہو۔ یہ  
 شیوہ بہت برا ہے۔ اس میں گھر کے گھر  
 بگڑ گئے ہیں۔ اس خصلت سے پناہ مانگنی چاہیے  
 خیر باتیں تو بہت سی ہیں مگر اس وقت  
 میرا دل اڑا جاتا ہے۔ آج مجھے اپنے طور  
 اچھے نظر نہیں آتے۔ خدا جانے میں تم سے  
 کیونکر باتیں کر رہی ہوں۔ اب زیادہ میرے  
 کہنے کی تم کو حاجت نہیں۔ تم کو جو چاروں  
 پڑھائے ہیں اسی لیے پڑھائے ہیں کہ جو  
 کام کرو سوچ سمجھ کر کرو۔

لے اچھی طرح یاد رکھو۔

اماں جان یہ باتیں تمام کرنے نہ پائی تھیں  
کہ ایکبارگی اُن کا سانس اکٹرا ہو گیا۔

سید عباس کتا ہے کہ جب میری  
مخدومہ کتے کتے یہاں تک پہنچیں اُن کا دل  
قابو سے جاتا رہا اور بے اختیار ہو کر رونے لگیں  
اور اس قدر روئیں کہ روتے روتے ہچکلی لگ  
گئی۔ پھر میری جرات نہ پڑی کہ اُن سے کچھ  
اور حال پوچھوں۔

خلاصہ یہ کہ جب نانا جان اور نانی جان  
میری مخدومہ کو اس طرح تربیت کر چکے  
اب یہ فکر ہوئی کہ اُنکی کہیں نسبت کیجے۔ مگر  
ایسی جگہ کیجے کہ لڑکا ذات اور صفات میں  
بزرگزیدہ ہو۔ اُس زمانہ میں میرے جد امجد  
میر سید علی منصور اگرچہ علم و فضل میں کچھ  
ایسے مشہور نہ تھے مگر اولاد کے تربیت کرنے میں

لوگ اُن کی نظیر دیا کرتے تھے۔ تمام عمر میں اُن کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔ جس میں تین بیٹے تو مر گئے۔ اور ایک میرے والد ماجد اور دوسری پھپھی اماں زندہ و سلامت رہیں۔ دادا جان نے ابا جان کی تسلیم و تربیت میں تو خوب کوشش کی مگر پھپھی اماں کو ایک قرآن شریف تو یاد کرادیا اس کے سوا کچھ اور پڑھنا لکھنا اُن کو نہ آیا۔ بھید اس میں یہ تھا کہ دادی جان کو پڑھنا لکھنا بالکل نہ آتا تھا۔ پھر پھپھی اماں پڑھتیں تو کیونکر پڑھتیں؟ غرض ابا جان کی لیاقت اور قابلیت کی شہر میں دھوم تھی۔ رفتہ رفتہ یہ ذکر خواجہ صاحب کے کان تک بھی پہنچا۔ وہ سنتے ہی بیتاب ہو گئے لیکن زبان سے کچھ نہ نکال سکے۔ جو لوگ نانا صاحب کے مزاجدان تھے اُنہوں نے دادا جان تک اس بات کی نوبت پہنچادی۔ ہمارے اور نانا جان

کے بزرگوں سے کچھ قرابت یا میل جول  
 پہلے سے نہ تھا۔ دوسرے ضلع<sup>ط</sup> بھی غیر تھا  
 ہمارا مکان خاندوران خاں کی حویلی میں تھا  
 اور اُن کی املاک عاقلخان کے کوچہ میں تھی  
 اسی سبب سے دادا جان کو اب تک  
 اُن کا کچھ حال معلوم نہ تھا۔ مگر اب لوگوں نے  
 جو بتایا تو اُن کو بھی خبر ہوئی۔ یہ اس باکے  
 سنتے ہی ایسے بیقرار ہوئے کہ اُسی وقت  
 آبا جان کو بلایا اور اُن کے ہاتھ سے رقعہ  
 لکھوا کر خواجہ صاحب کے ہاں بھجوا دیا۔ انہوں نے  
 رقعہ تو رکھ لیا اور آدمی کو رخصت کیا۔  
 اگلے دن اپنے داروغہ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ  
 مجھے یہ بات منظور ہے مگر آپ کو یہ معلوم  
 رہے کہ نکاح ایک ایسی چیز ہے کہ اگر  
 اُس کو مختصر کیجے تو دو بولوں پر فیصلہ ہے

نہ یہاں مراد محلہ یا شہر کا ہے۔

اور جو بڑھائیے تو اس سے مشکل کوئی  
 کام نہیں۔ اگر آدمی اس کام میں ایک  
 سلطنت کٹا دے تو بھی خلقت کی زبان سے  
 نہیں بچ سکتا۔ مثل مشہور ہے "نہ کردن  
 یک عیب و کردن ہزار عیب" پھر ایسا کام  
 کیوں کیجے جس میں روپیہ کا روپیہ برباد ہو  
 مہینوں اوقات جد اضائع ہو۔ نہ خدا خوش  
 نہ رسول خوش اور لوگوں کے طعنے رہے سو  
 جدا۔ میں اس وقت صاف کہے دیتا ہوں  
 کہ یہ جو شہر والے بیاہ شادیوں میں ہزاروں  
 بیوہ رسمیں کرتے ہیں اور نمود کے مارے  
 لڑکیوں کا مہر لاکھ لاکھ اور دو دو لاکھ روپیہ کا  
 بند ہواتے ہیں۔ میں ان رسموں میں سے  
 کچھ نہیں کرنے کا۔ اگر آپ کی غیرت اس  
 بات کو گوارا کرے تو بسم اللہ۔ ایک تاریخ  
 مقرر کر کے اُس دن چلے آئیے۔ دادا جان نے

-  
 تاریخ

یہ سب باتیں قبول کیں اور یہ کہلا بھجوا یا کہ یہ سب  
 باتیں آپ نے میرے دل کی سی فرمائیں۔ اگر آپ سے  
 رہ جائیں تو شاید مجھ کو خود کہنی پڑتیں۔ مگر گستاخی  
 صحاف ہو تو ایک عرض میں بھی کروں؟ مجھ کو میرے  
 والد مرحوم نے وصیت کی تھی کہ بیٹوں کی شادی  
 کم سے کم پچیس برس کی عمر میں کرنی چاہیے۔ یہ جو  
 ہمارے ملک میں لوگ اکثر کمزور اور بو دے ہوتے  
 ہیں اور چالیس پینتالیس برس کی عمر میں جا کر کسی  
 کام کے نہیں رہتے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ  
 ان کی شادیاں چھوٹی چھوٹی عمر میں کی جاتی ہیں۔ نہ  
 ابھی ان کے بدن زور پکڑنے پاتے ہیں نہ ان کی  
 عقلیں کامل ہونے پاتی ہیں۔ دفعتاً ان پر یہ بوجھ  
 آن پڑتا ہے۔ چند روز میں پھول کی طرح کہلا جاتے  
 ہیں۔ غرض جو بات تھی وہ قرار پا گئی۔ میں امجد علی  
 کو آپ کی غلامی میں دے چکا۔ مگر رخصت میں ابھی  
 جلدی نہ کیجے گا تو کمال بندہ نوازی ہے۔ امجد علی کو

عنایتِ الہی سے بائیسواں سال شروع ہے۔ تین  
 برس کی اور مہلت دیجئے۔ اس میں یہ فائدہ اور  
 ہوگا کہ اس نے جب سے یہ سنا ہے کہ مولیٰ فیض اللہ  
 بنا رسی علم ہیئت خوب جانتے ہیں اور انکے ہاں کرے  
 اور ہر قسم کے آلات موجود ہیں اسوقت سے اس کو بنا رسی  
 کی تو لگی ہوئی ہے۔ اس عرصہ میں یہ وہاں بھی ہوا یگا  
 اور وہیں سے کچھ اسباب تجارت اور ایک دو  
 آدمی تجربہ کار اس کے ساتھ کر کے دکن بھیجے گا  
 قصد ہے۔ یہ ارادہ بھی پورا ہو جائیگا۔ کیونکہ اس سے  
 ذرا اس کا دل بھی کھلیگا اور تجارت میں بھی تھوڑا  
 بہت سلیقہ پیدا کرے گا۔ اور دس بیس شہر  
 مفت دیکھنے میں آجائیں گے۔ یقین ہے کہ یہ سب  
 مراتب تین برس سے ورے ورے ختم ہو جائینگے  
 پھر آپ کو اختیار ہے جب چاہئے گارخصت کر دیجے گا۔  
 نانا جان نے یہ سب باتیں منظور کیں۔ غرض کہانتک  
 بیان کروں چوتھے برس جب اباجان دکن سے

واپس آگئے۔ اُن کے آتے ہی نکاح کی تاریخ مقرر  
 ہو گئی۔ میں نے سنا ہے کہ نکاح کے وقت دادا جان  
 نے ہر چند چاہا کہ ہر کچھ زیادہ بندھے مگر نانا صاحب نے  
 دو ہزار سے زیادہ نہ بندھوایا۔ اور یہ بھی سنا ہے  
 کہ نکاح سے پہلے آپ اٹھکر مجلسِ ا میں تشریف لے گئے  
 اور جتنی پردہ والیاں تھیں اُن کو الگ کر کر صاحبزادی  
 سے یہ فرمایا کہ بیٹا تم خدا کے فضل سے پڑھی لکھی  
 قابل اور ہوشیار ہو۔ ہر ایک بات کی بُرائی  
 بھلائی کو خوب جانتی ہو۔ تم کو زیادہ سمجھانے کی  
 کچھ ضرورت نہیں۔ میرے سید علیؑ کے گھرانے کا  
 حال تمہاری اماں بہشتن تم سے سب کچھ کہہ چکی ہیں  
 اُن کے ہاں کے مرد و عورت کا چال چلن جو میں نے  
 سنا ہے بہت اچھا ہے۔ آگے خدا کو علم ہے۔ اور  
 اُن کا بیٹا امجد علیؑ بھی ظاہر میں نہایت سعادتمند  
 اور اہل علم معلوم ہوتا ہے۔ اور لیاقت میں تو اپنے

لے لائق اور نیک۔

ہم جو لیوں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ مگر یہ نکاح کا وقت ہے۔ اس وقت تم سے پوچھ لینا شرط ہے جو کچھ تمہاری مرضی ہو بے تکلف کہ دو۔ وہ سنکر چسکی ہو رہیں۔ خواجہ صاحب نے ایک بار کہا۔ دو بار کہا۔ آخر جب دیکھا کہ یوں کام نہیں چلتا۔ کسا سنو میری جان! یہ کوئی دو چار دن کا معاملہ نہیں یہ عمر بھر کی قید ہے۔ تمہارا باپ ایسا نادان نہیں ہے کہ بے پوچھے تمہارا ہاتھ ایک غیر آدمی کے ہاتھ میں دیدے۔ اپنی اپنی سمجھ جُدا ہے۔ میرے نزدیک وہ لاکھ اچھے ہوں مجھے کیا خبر ہے کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟ اور معاملہ کی بات میں شرم کرنی بیوقوفی ہے۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ہم نے تم کو چار حروف اس لیے نہیں پڑھائے کہ جہالت کی قید میں پھنسی رہو اور وہی اگلے زمانہ کی بیہودہ رسمیں برتے چلی جاؤ۔ نہیں۔ علم کے معنی یہ ہیں کہ آدمی وہ کام کرے جو اُس کے حق میں

برانہ ہو اور خدا رسول کے نزدیک اچھا ہو  
 خواہ اس میں کوئی بُرا کئے خواہ بھلا کہے۔ بس  
 یہ بے محل شرم و حجاب کہاں تک رہے گا؟  
 باہر دس بھلے مانس بیٹھے راہ دیکھ رہے ہیں۔  
 اگر سو دفعہ تمہارا دل ٹھکے تو اس بات کو قبول  
 کرو۔ نہیں تو جواب دو؛ میں ابھی لوگوں کو ایک  
 خوبصورتی کے ساتھ ٹال دیتا ہوں۔ خدا نخواستہ  
 تم پر کوئی بات نہیں آئیگی۔ بیٹی نے جب باپ سے  
 یہ کلام سنا۔ اُن کی ناخوشی کے آگے برادری  
 کے طعنوں کا کچھ خیال نہ کیا اور صاف صاف اُنکی  
 خدمت میں عرض کیا کہ حضور نے لونڈی کے حق میں  
 جو کچھ تجویز کیا ہے عین مصلحت ہے۔ آگے ہوتا وہی ہے  
 جو تقدیر میں لکھا ہے۔ نانا جان یہ کلمہ سنکر نہایت  
 خوش ہوئے اور بیٹی کو دُعا دے کر باہر دیوانخانہ  
 میں تشریف لائے اور قاضی صاحب سے کہا  
 میں لڑکی کا ولی بھی ہوں اور اُس کی طرف سے

وکیل بھی ہوں۔ آپ بسم اللہ کریں۔ غرض جب نکاح ہو چکا نانا جان نے داروغہ کو اشارہ کیا وہ توشہ خانہ میں گیا اور پانچ توڑے روپوں کے اور کچھ خوان زیور اور کپڑے وغیرہ کے سب اہل مجلس کے رو برو لاکر رکھ دیے۔ نانا جان نے اپنی جیب میں سے ایک گاؤں کی سند نکال کر اور سامانِ جہیز کے ساتھ اُس کو بھی رکھ دیا اور دادا جان کی طرف متوجہ ہو کر یہ شعر پڑھا۔ بیت

سپر دم بتو مایہ خویش را

تو دانی حساب کم و بیش را

دادا جان نے بہت کچھ شکر تہ ادا کیا اور کہا جہاں اللہ تعالیٰ کے اور مجھ پر بڑے بڑے احسان ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امجد علی کو آپ کی غلامی نصیب ہوئی۔ نانا جان نے داروغہ سے کہا کہ جلد کماروں سے کہو زنائی ڈیوڑھی پر پینس لگائیں۔ اور آپ اٹھ کر اندر تشریف لے گئے

غلام پینس

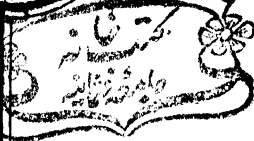
جو جو چھپنے والیاں تھیں چھپ گئیں۔ آپ سید سے  
 بیٹی کے پاس چلے گئے اور اُن سے کچھ کان میں  
 لٹکے لگایا۔ اور فرمایا لو بیٹا خدا حافظ! انا  
 حسینی خانم تمہارے ساتھ جائیں گی۔ برس  
 چھ مہینے جب تک سسرال میں تمہارا جی لگے یہ  
 تمہارے پانس رہیں گی۔ پھر جس وقت اماں جان  
 رخصت ہو کر بنیں میں سوار ہو جائیں تو ابا جان کا ہاتھ  
 پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور گھڑی بھرتک اُن کو  
 کچھ سمجھاتے رہے۔ پھر رخصت کیا۔  
 مجھ سے یہ ساری داستان انا حسینی خانم  
 ہی نے بیان کی تھی۔ میں نے اپنے ہوش میں ابا جان  
 کو نہیں دیکھا۔ میری عمر کچھ اوپر تین برس کی تھی  
 کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ مگر شادی کے بعد بیس  
 بائیس برس جے۔ میں اُن کی شادی سے کہیں  
 اٹھاتھ یا انیس برس بعد جا کر پیدا ہوا تھا۔  
 ایک دن میں نے اماں جان سے پوچھا کہ مانا جان

رفعت کے وقت آپ سے اور ابا جان سے کہا  
 کہا تھا؛ آپ اٹھ کر اندر چلی گئیں اور کتابوں کی  
 الماری میں سے کچھ لکھے ہوئے کاغذ لا کر میرے  
 حوالے کیے اور فرمایا کہ لو یہ وصیت نامہ تمہارے آپا لکھ میں  
 ہیں۔ اس میں جو کچھ تم بوجھتے ہو سب لکھا ہوا ہے  
 آج سے اس کو تم اپنے پاس رکھو اور کبھی کبھی  
 اسے دیکھتے رہا کرو۔ میں نے جو اسے کہول کر  
 اول سے آخر تک پڑھا تو حقیقت میں اس کا ایک  
 ایک بول جو اہرات کا مول رکھتا تھا۔ خدا نے چاہا تو  
 کبھی فرصت کے وقت اول سے آخر تک سناؤ نگاہ

پہلا حصہ تمام ہوا

حقوق طبع محفوظ

سلسلہ تصانیفِ عالمیہ  
نمبر ۲



# مجالس النساء

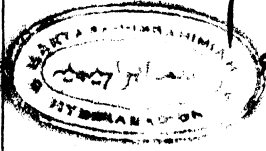
جسکو

شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم

نے

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لیے تالیف کیا

حصہ دوم



سنہ ۱۹۲۷ء

باہتمام خواجہ فرزند علی

حالی پریس پبلیشنگ پمپری

# حالی پر پریس پانی پت

ایک عرصہ سے پانی پت میں ایک مطبع جاری کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی مولانا حالی کی زندگی میں ان کے دوست جناب مولانا وحید الدین صاحب سلیم نے ایک مطبع اسی نام کا جاری کیا تھا جو چند سال نہایت مفید کام کرنے کے بعد بند ہو گیا اب میں نے اپنے نانا صاحب (مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی) مرحوم و منخور کی یادگار میں ایک نیا مطبع بنام **حالی پریس** جاری کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مولانا حالی مرحوم کی تمام تصانیف ایک سلسلہ کی صورت میں اور ایک تقطیع پر چھپوائی جائیں اور انکی تصحیح کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ اسکے علاوہ کوشش کی جاتی ہے کہ اہرت کا کام عمدہ اور جلدی کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو کفایت کے ساتھ کیا جائے پریس کی کامیابی اور اسکی ترقی افسران محکمہ جات اور رؤسا اور پبلک کی سرپرستی اور توجہ پر منحصر ہے۔ اگر یہ حاصل ہوگی تو ہم اپنی طرف سے جلدی کوشش کریں گے کہ پریس اس سرپرستی کا ہودہ سے طور پر مستحق ثابت ہو۔

## تصانیف حالی

۱۔ مولود شریف - یہ کتاب پہلے کبھی نہیں چھپی۔ اس کا مکمل اور مجلد سودہ مولانا مرحوم کا مدخلی صاف کیا ہوا حال ہی میں دستیاب ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور محبت مولانا مرحوم کے دل میں تھی وہ اس کے ایک ایک لفظ سے مترشح ہوتی ہے۔ نئے خیالات کے لوگ اس کو دلچسپ پائیں گے۔ خاص کر بچے نے خیالات کے مسلمان قابلاً اسکو زیادہ پسند کریں گے کسی مسلمان کا گھر بھی کتاب سے خالی ہونا چاہیہ قیمت ۴



آدمی بنالیں۔ پرویسی لیاقت کہاں سے لائیں؟  
 ۴۔ ۵۔ ۶۔ حضرت! قصور معاف ہو تو کموں۔ اس سے  
 یہ کیونکر نکلا کہ بائیس بیٹیوں کو بھی پڑھا سکتی ہیں؟ ذکر  
 تو میرے احمد مرزا پر چلا تھا۔ آپ اُس پر زبیدہ خاتون  
 کا قصہ لے بیٹھیں۔ کہاں بیٹیوں کا پڑھانا۔ کہاں  
 بیٹیوں کا تربیت کرنا؟ اس میں اور اُس میں آسمان  
 زمین کا فرق ہے۔

۱۔ بڑی بیگم! سنتی ہو۔ مریم زمانی کی باتیں؟ کیا  
 تمہارے نزدیک بھی بائیس بیٹیوں کو تعلیم نہیں کی سکتیں؟  
 ب۔ ب۔ آتو جی! سچ تو کہتی ہے۔ بات تو  
 کہیں کی تھی تم نے اُسے ادھر ڈھال دیا۔ یہ تو ہم بھی  
 جانتے ہیں کہ ماں پڑھی لکھی ہو تو بیٹی کو بُری یا بھلی  
 طرح تعلیم کر سکتی ہے۔ پر بیٹیوں کا پڑھانا ماؤں کا  
 ہرگز کام نہیں۔

۲۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک بات کا تو اقرار کیا۔ اب  
 دوسری بات کا بھی وقت آتا جاتا ہے۔ ذرا میں

اس وصیت نامہ کو سنالوں جو سید عباس  
 کے باپ نے آخری وقت میں لکھوایا تھا۔ پھر تمہاری  
 بات کا بھی جواب آجائیگا۔

سید عباس کتا ہے کہ اہل جان نے جو وہ لکھا  
 مجھے ٹکڑے لے گئے۔ میں نے دیکھا تو ان میں یہ لکھا تھا

### سید امجد علی کا وصیت نامہ

بعد حمد و نعت کے خاکسار امجد علی سب صاحبوں کی  
 خدمت میں عرض کرتا ہے۔ اگرچہ یہ خبر کسی کو نہیں کہ  
 موت کب آئے گی؟ اور کہاں آئے گی؟ گرا بیجا  
 جو میں بیمار پڑا ہوں اس سے آپ ہی آپ میرا دل  
 بیٹھا جاتا ہے۔ شاید میرا وقت قریب آہنچا۔ اس  
 بات سے میرے عزیز اور دوست اپنا بھی شکر خاں  
 کیونکہ اگر سچ سچ میری عمر کے دن تمام ہو چکے ہوں۔ تو  
 کمال شکر کی جگہ ہے کہ اس وقت میرے ہنر و اس  
 قائم ہیں۔ جن سے کچھ کہنا ہے۔ کہہ سکتا ہوں۔ جن کا

کہہ دینا ہے جسے کہتا ہوں ماسجدا سے پہلے میں  
 کھڑے تھے گا یہ شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھ کو دین اسلام  
 میں پیدا کیا ہے۔ اور توحید کا بے مقصد بنانا اور صرف  
 بخیر الہیہ سے ملنے کا بیٹھنا یا کچھ نہیں دیکھنے  
 میرے پالنے اور پرورش کرنے کے لئے جو کوشش کی  
 اور پھر میری تعلیم اور تربیت میں اپنی جان کھپائی۔  
 اگر ایک کا نام میرے ہاتھوں میں چھتا جاتا تھا تو اُس نے  
 دل میں جا کر کھٹکتا تھا۔ اور جس بات سے میرا دل  
 سیلا ہوتا تھا اس سے ان کی جان پر جن جانتی تھیں اس  
 پیار اور اظہار پر پڑنے لگنے جن کبھی انہوں نے  
 میری ولداری نہ کی تھی اچھا کھلایا۔ اچھا پھلایا۔ اچھے  
 بچوں پر نسلایا۔ اچھے گھوڑوں پر چڑھایا۔ جو کھا  
 سو کیا۔ جو بلا لگ سو دیا۔ غرض ساری ناز برداریاں کہیں  
 گزریں گی کہ متولے میں جب دیکھا دشمن کی نگاہ  
 سے دیکھا۔ جی تو یہ جانتا ہوں کہ جو باتیں بھین میں  
 مجھے انکو از معلوم ہوتی تھیں ان سے میرے دل باپ کا

دل سجدے تھے زیادہ دکھ ہو گا بگوانہوں نے اپنی  
 پھلتی پھرتی رکھنا قبول کیا اور میری خوشی اور خوشی کا  
 کچھ خیال نہ کیا۔ اس کے بعد مجھے اس بات کا شک  
 کرنا بھی ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے قوم کی  
 سلطنت میں پیدا کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں  
 سلطنت کا سب سے زیادہ دوست فرمایا ہے۔  
 انگریزی سلطنت کی بدولت آج ہندوستان میں  
 وہ روشنی پھیل رہی ہے کہ نایت آفرین میں کچھ  
 تمیز نہیں رہی۔ رستے لپٹے صاف ہیں کہ جہاں  
 پہلے قافلوں کا گزر نہ ہوتا تھا۔ اب وہاں جس کا  
 چاہے لاکھ بند کر کے سونا اچھالتا چلا جائے۔ تجارت  
 اس قدر آسان ہو گئی کہ دو دن میں ہزاروں من مال  
 مشرق سے مغرب میں اور جنوب سے شمال میں پہنچا  
 جن شہروں کا پہلے نام ہی نلم سکتے تھے۔ اب وہاں  
 جانا ایسی بات ہے جیسے بازار میں سیر کر آئے۔  
 اگر ہزاروں کو میں کسی کو کچھ خبر بھیجی ہو۔

کسی کی خبر منگانی ہو تو منہ سے بات نکالنے کی ویسے  
 جو فیروز پھر اُسکی رسید لو۔ جو بات پوچھو اُس کا جواب لو۔  
 پیٹھے والے پہلے اپنے کاموں کی قدر آپ نہ جانتے تھے  
 صبح سے شام تک جان کھپاتے تھے تو کہیں شام کو جا کر  
 دو تین آنے پتے پڑتے تھے۔ اب ہر شخص کو اُس کی  
 محنت کا پھل خاطر خواہ ملتا ہے۔ یہ غلطی ہمیشہ سے چلی  
 آتی تھی کہ نکلے آدمی سدا عیش و عشرت سے بسر کرتے  
 تھے اور کام کے آدمی ذلیل و خوار پھرتے تھے۔ یہ اسی  
 سلطنت کا صدقہ ہے کہ جتنے حق دار تھے وہ اپنے حق کو  
 پہنچ گئے۔ کھیتی کا مدار پہلے ہر جگہ بارش پر یا کٹوؤں  
 کے پانی پر تھا۔ اب گنگا اور جینا چاروں کھوٹ میں  
 دھندلی ووڑھی پھرتی ہیں۔ جہاں جہاں نہر گئی ہے  
 وہاں ہمیشہ سناں رہتا ہے۔ اس کے سوا پہلے بادشاہوں  
 اور امیروں کے سوا غریبوں کی بیماری کا علاج جیسا  
 چاہیے ویسا نہ ہوتا تھا۔ کہیں طبیب کو دینا پڑتا تھا۔  
 کہیں دوائیں مول لینی پڑتی تھیں۔ اب شہر شہر اور

قصبے قصبے اور گاؤں گاؤں سرکاری ڈاکٹر علاج کرتے  
 پھرتے ہیں۔ نہ کچھ ڈاکٹر کو دینا پڑتا ہے۔ نہ دوا مول لینی  
 پڑتی ہے۔ جس کا جی چاہے علاج کرائے۔ جو دوا  
 چاہے لیجائے۔ پہلے اول تو کتاب ملتی بھی نہ تھی۔  
 اور جو ملتی بھی تھی تو بہت بھاری قیمت کو ملتی تھی۔  
 اور جو لکھواتے بھی تو ایک ایک کتاب برسوں میں  
 تمام ہوتی تھی۔ اب چھاپے کی بدولت کتاب اور  
 ترکاری ایک بھاؤ لگتی ہے۔ جو سواریاں پہلے  
 بادشاہوں کو میسر نہ تھیں۔ وہ آج ادھے ادھتے  
 آدمی کے پاس موجود ہیں۔ جو گپڑا پہلے امیروں کو  
 نصیب نہ ہوتا تھا۔ وہ پستھاریوں کے بچے پہنچے  
 پھرتے ہیں۔ پہلے جب کوئی تمام عالم کی سپر کتاب  
 جا کر اس کو ساری دنیا کی حقیقت معلوم ہوتی۔ یونکہ  
 ہر ایک ملک کا نقشہ نہایت صحیح کچھ ہوا کلفذ کے موافق  
 لکھنا پھرتا ہے۔ جس کا جی چاہے گھر بیٹھے ساری دنیا  
 کے پہاڑ اور جبل اور دریا اور جزیرے اور آبادی

نامور و مہر لائے کی تکثیر کر کے پہلے اٹھلاؤ اور پھر ان کے  
 رہیں قدر شکل تھکے اتنی سے زیادہ کوئی شکل نہ ہو  
 انہ تھا۔ اب ہر لائی کا عظیم بنے اسل میں مہم کو ایسا آتلاں  
 کر دیا کہ جابل رہنا مشکل ہے اور پڑھنا لکھنا آسان ہے  
 پہلی شہر وں کی حفاظتی دیک ایسی چیز تھی کہ کبھی نہ سکا  
 تصور بھی دل میں نہ آتا تھا۔ اب ایک سلیک گلی اور  
 ایک سلیک کو چھ اور سڑک اور بازار ایسے صاف  
 رہتے ہیں کہ پہلے شاید پردوں کے سہنے کے مکان  
 بھی اتنے صاف نہ رہتے ہوں گے۔ پہلے غریب المیروں کی  
 المی رعیت حکم سے ایسی دہتی تھی جیسے غلام اپنے آقا  
 سے بچنے کے بعد ہر شخص کو ہر طرح کی آزادی حاصل  
 ایک ہر مقلانہ کے سوا اور جو کچھ جس کے جی میں آئے  
 سو کرے۔ کوئی کسی کا مزاحم نہیں۔ ایک حاکم کے  
 فیصلے سے ناراض ہو تو سب کے ہاں جا کر نالاشن کرے  
 دلان بھی خاطر خواہ حکم نہ ہو تیسرے سے جا کر کہے جو تھے  
 سے کہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے دربار میں جا کر

فریاد کرتے۔ جو مذہب جسکا ہی چاہے اختیار کرے۔  
 سرکاری قانون کی جو بات شاگرد علوم ہو اس پر نظر  
 رکھو۔ غرض اسی طرح کی اوس سینکڑوں باتوں میں  
 میں نے یہاں تقریر کو اس لیے بلوایا ہے تاکہ میری  
 اولاد اس سلطنت کی قدر پہچانے۔ آدمی کا قاعدہ ہے  
 جو سدا سے آرام و آسائش میں رہا کرتا ہے اس کو  
 آرام و آسائش کی قدر نہیں ہوتی۔ شاید میری  
 اولاد اس سلطنت کی کچھ قدر نہ جانے۔ کیونکہ وہ اس  
 زمانہ کے سوا اور کچھ نہیں دیکھنے کے۔ لیکن مجھے امید ہے  
 کہ جس وقت وہ پڑھ لکھ لیں گے۔ اور اگلے بادشاہوں  
 کے حال کتابوں میں لکھے دیکھیں گے اُس وقت اُن  
 کی آنکھیں کھلیں گی۔ اور اسی وقت یہ سمجھیں گے کہ  
 ملکہ معظمہ کا سایہ عاطفت ہمارے سر پر بہت بڑی  
 دولت ہے اور ہماری فحش نصیبی کی نشانی ہے۔  
 اس کے بعد پھر میں اپنے ماں باپ کا شکریہ  
 کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک بڑے عالی خاندان کی

لڑکی سے میری شادی کی۔ اس بیوی نے اگر میرے  
 گھر کے ایک ایک کونے سے تاریکی کو کھودیا۔ بُری  
 بُری رہیں جو ہمارے ہاں بڑوں کے وقت سے چلی  
 آتی تھیں۔ اور بُرے بُرے عقیدے جن کو ہمارے  
 ہاں کے مرد عورت اپنا دین و ایمان جانتے تھے۔ انہوں نے  
 ان کو ایسی خوبصورتی سے مٹایا کہ کسی کو ناگوار نہ گنڈا۔  
 بلکہ اُلٹے سب اُن کے ممنون ہوئے۔ میری ماں بہن  
 کے ساتھ انہوں نے وہ برتاؤ برتا کہ میں اُن کا یہ احسان  
 قیامت تک یاد رکھوں گا۔ خواجہ صاحب و قبلہ نے اُن کو  
 رخصت کے وقت یہ کہا تھا کہ ”اول تو جہاں تک ہو سکے  
 تم اپنی ساس نشدوں سے نباہ کرنا۔ اور جو دیکھو کہ کسی  
 طرح نہیں بنتی تو اپنے میاں سے کہہ کر الگ ہو جانا۔ اور  
 یہ خیال نہ کرنا کہ لوگ برا کہیں گے یا ساس نشدیں برا  
 مانیں گی۔ اب تو ایک ہی دفعہ برا مان کر رہ جائیں گے۔  
 اور ساتھ رہنے میں روز بگاڑ رہیگا۔ مگر اپنے خاوند کو  
 اُن کی اطاعت سے باہر نہ ہونے دینا۔“

میں اس وقت صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اگر  
 یہ چاہتیں تو مجھے ماں بہن سے جدا ہونے میں کچھ عذر  
 نہ ہوتا۔ کیونکہ میں بھی اس بات کو نہایت معلوم جانتا تھا  
 مگر انہوں نے یہاں تک نوبت ہی نہ آنے دی۔ میری  
 ماں بسبب ہمیشہ ان کا دم بھرتی رہیں۔ اس کے سوا  
 فضول مخرجی کبھی عورتوں کا شیوہ ہے۔ کھانے پینے میں  
 بیاہ شادی میں۔ مرنے جینے میں آگاہی کچھ نہیں  
 دیکھتیں۔ ہمیشہ اُن کو یہ دُمن لگی رہتی ہے کہ محفل میں  
 نکلے تو ایسا جوڑہ پنکو نکلے جو کسی کے پاس نہ نکلے۔  
 لڑکے کی چٹھی میں ایسی دھوم دھام کیجے جو کسی نے  
 نہ کی ہو۔ سُسرے کا مرنا ایسا کیجے کہ ساری برادری  
 میں نام ہو جائے۔ اس میں گھر بک جائے تو بک جائے  
 گھر کا اسباب نیلام ہو جائے تو ہو جائے۔ حالانکہ میں نے  
 کبھی ان سے اپنی جان تک عزیز نہ سمجھی مگر انہوں نے  
 سدا میری چیز کو ایسا سمجھا جیسے کوئی امانتدار آدمی  
 کسی غیر کی چیز کو سمجھتا ہے۔ کبھی ایک کوڑی بیجا صرف

لگا۔ کبھی ایک دفعہ جگہ نما تھا یا نہ گھر کے انتظام  
 میں خاندان کے سچے ہاتھ کھس مجھ کو روکھ کر تانہ پڑا۔ بلکہ  
 گو مجھ سے دس سو ملن (تو سب گھر کا انتظام کرتے تو بھی  
 ان سے بہتر نہ ہوتا تھا۔ میرے خاندان میں بعض روپے کا  
 سودا گری لکھ سب لہ رہیں رہیں دن اور دو دو پوس  
 رہتا تھا اور اسی میں اکثر اسباب ایسا ہوتا تھا کہ دس  
 دن اس کی قیمت لیجائے تو کلام سے جاتا رہے۔ گو لنگی  
 تو جس سے کبھی کوئی چیز نہ بگڑی۔ اس کے سوا اور تو کو  
 یہ بھی مرض ہوتا ہے کہ ہر وقت دروازے پر ڈوٹ  
 گھڑی رہی رہتی ہے۔ غالباً کبھی۔ بہن۔ کھانگی کے  
 ہاں جانے سے کبھی فرصت نہیں ہوتی۔ اور اسی سبب  
 اکثر میان بیوی میں بگڑ رہتا ہے۔ اگر اس کی ہمیشہ یہ  
 صورت رہی کہ جب میں ہی میں کونیکے میں بھیتا تھا  
 تو مہینوں میں ایک آدھ پھیر لگاتی تھیں۔ سدر بہار  
 شادی میں جہاں کہیں لیس ہی ملت جلت ہوتی تھی  
 تو مجھ پر دو چار گھڑی کے لیے جلتی تھیں۔ نہیں تو اید کہیں

کبھی  
 کبھی

جیسا کہ نے بتے لائیں تھا بلکہ سہوکار نے تھا۔ اس کے  
 ہوا جب والد بروم نے مجھ کو چار حرف پڑھوائے اس علم  
 کے سوا کسی کو سمجھتے تھے نہ بھلتی تھی۔ خصوصاً گھر میں  
 بیٹھے سے ایسا جی بگھراتا تھا کہ امان اور سیکھنے میں نام  
 لکھ کر اس کے دیا تھا جب سے یہ کہیں میری ہر وقت کا  
 تاج سہوکار خود بخود چھوٹ گیا۔ ان کی محبت میں مجھے ہر  
 کسی صحیح بات پر واہ نہ تھی۔ ہر دس میں بھی اکثر میرے  
 دستانہ میں۔ مگر سوال ان کے خیال کے اور کبھی  
 میں نے وطن کو یاد نہیں کیا۔ ایک دن کے ساتھ ہونے  
 نے مجھے پورے ہی وطن کے برابر معلوم ہوتا تھا۔  
 ان کے سوا ہمارے ہاں دوا صاحب کے وقت سے  
 کسی علم و ہنر اور دیوے کا قرض چلا آتا تھا۔ اور جو ہنر کی  
 اجرتی سے اس کے بہتر نے کی کوئی صورت نہ بنتی تھی  
 انہوں نے لیا سیکھے سے انتظام کیا کہ دس برس  
 میں ایک ایک کٹوری قرض کی اتار دی۔ رہنے کا مکان  
 سے و تھانہ میں لکھ۔ ہر ماہی سے گھرا ہے۔

ہمیشہ ٹوٹا پھوٹا۔ سیلا کھیلا رہتا تھا۔ انہوں نے مکان کی  
 صورت ہی بدل دی۔ گرمی۔ سردی۔ برسات۔ جس  
 موسم کا آرام چاہیے موجود ہے۔ جس نے یہ مکان میں  
 برس پہلے دیکھا ہو اور وہ اب آکر دیکھے تو ہرگز اسکی  
 پہچان میں نہ آئے کہ یہ وہی مکان ہے۔ غرض کمانٹک  
 بیان کروں ان کا حق مجھ سے کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا  
 اب ان سے میری یہ التجا ہے کہ جہاں جیتے جی تمہارے  
 اور ہزاروں احسان مجھ پر ہے۔ اب میرے مرنے کے  
 بعد بڑا احسان یہ ہے کہ سید عبتاس کی تربیت میں  
 ایسی کوشش کرنا کہ میری روح تم کو دے۔ اگر وہ  
 میں خوب جانتا ہوں کہ تمہاری زندگی ہمیشہ اچھے کاموں  
 میں صرف ہوگی۔ مگر اس وقت اس کا حق مجھ پر بھی تھا کہ  
 تم کو اس باب میں وصیت کر جاؤں۔ اور اہل اور آپا  
 سے میرا یہ سوال ہے کہ میرے بعد سید عبتاس کی  
 والدہ کو میری جگہ سمجھیں۔ بلکہ مجھ سے بھی زیادہ عزیز  
 جانیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ سید عبتاس کو زندگی عطا

کرے تو اُس کو اور اُسکی اولاد کو اول وصیت میری  
 یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے تحصیل علم میں سعی کرنا۔ یہ ایک  
 ایسی نصیحت ہے کہ سارے جہان کی نصیحتیں اسی میں  
 آگئیں۔ تمام دنیا اور دین کی بھلائیاں ایک علم کے پڑھنے  
 سے انسان میں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس کے سوا چند  
 باتیں روز کے برتاؤ کی بھی بتائے دیتا ہوں۔ اگر ان کے  
 موافق عمل کریں گے تو دنیا میں اُن کے بہت کام آئیں گی۔  
 دنیا میں عزت چاہو تو وہ ہنر سیکھو جس کی بادشاہ وقت  
 کے ہاں قدر ہو۔ ہر زمانہ اور ہر سلطنت میں ایک نئی چیز  
 کی قدر ہوتی ہے۔ جو لوگ اگلے وقتوں کے ہنر کو ہنر  
 سمجھے جاتے ہیں اور نئے کمال اور نئے ہنر نہیں سیکھتے  
 وہ ہمیشہ دنیا میں ذلیل اور خوار رہا کرتے ہیں۔ ہمارے  
 ہاں کئی پشت سے تجارت کا پیشہ چلا آتا ہے۔ مگر تم کو  
 کچھ ضرور نہیں کہ تم بھی تجارت ہی کر کے روٹی پیدا کرو  
 نہیں بلکہ جس کام کی لیاقت اپنے میں دیکھو اور جس  
 بات کی برائی بھلائی سے خوب واقف ہو وہ پیشہ اختیار

کر دے بعض لوگوں کی پیشہ داریوں میں غلطی ہو جاتی ہے اور ان کی  
 طرح ہماری ترقی ہو۔ اگر جس کی عیادت پر ترقی ہو تو وہ  
 یہی اس کے حاصل کرانے میں کوشش نہیں کرتے۔  
 یہ بڑی غلطی کی بات ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ پہلے وہ  
 کمال پیدا کرے جس سے خود بخود دوسروں کی مدد ہو سکے  
 کوئی ظالم یا کوئی امیر تمہارا کہنا ہوتا ہے تو کبھی کسی نالائق  
 آدمی کی گفتگو نہ کرنا۔ اور جو کہو تو اس کے لیے جتن  
 سب جتا دینا۔ اگرچہ وہ شخص تمہارا کچھ نہیں دوسرت ہوتا  
 نہیں تو ایک اس کا کھلا کرنے میں اور سینکڑوں نالائق  
 آدمیوں کا برابر ہو گا۔ کیونکہ جب تمہاری سلیک ہا سقا  
 غلط نکلے گی۔ پھر تمہاری سچی بات کو بھی کوئی نہیں  
 ماننے کا۔ وعدہ ظلمی کرنی اور جھوٹ بولنا۔ یہ سب ایسی  
 نعلب کرنا۔ خوش تیابی کے لیے سب سے بڑا مغربہ دیکھنا  
 نکالنا۔ محفلوں میں ایک ایک پر بھتی گئی۔ اور یہ  
 باتوں کا اس زمانہ میں عیب نہیں رہا اور یہ کبھی تم  
 ان کو عیب نہ جانو۔ لغات پیدا کرنے کے لیے تم کو

بارہا سفر کرنے کا اتفاق ہوگا۔ ایک جمعے کے دن تو سفر  
 نہ کرنا۔ کیونکہ وہ عبادت کا دن ہے۔ جس طرح یہودیوں  
 کے ہاں ہفتہ اور عیسائیوں کے ہاں اتوار ہے۔ اسی طرح  
 ہمارے ہاں جمعہ ہے۔ اس کے سوا اور سب دن خدا کے  
 ہیں۔ کبھی سفر کرنے میں تردد نہ کرنا۔ لوگ کہتے ہیں کہ  
 دس سول ہفتے اور پیر کو مشرق میں ہوتا ہے۔ اور  
 جمعے اور اتوار کو غرب میں۔ اور منگل اور بدھ کو شمال میں  
 اور جمعرات کو جنوب میں۔ جب دس سول سامنے ہو تو  
 سفر نہ کرنا چاہیے۔ ایسی باتوں کو تم ہرگز نہ مانتا۔ بعضے  
 وقت ایسے ایسے وہموں سے آدمی اپنا بڑا نقصان کر  
 بیٹھتا ہے۔ شاید تم کو گھوڑے کی تجارت کرنے کا اتفاق ہو  
 یا اپنی سواری کے لیے گھوڑا خریدنا ہو تو جو گھوڑا بیمار ہو۔ یا  
 سواری میں کوئی عیب کرتا ہو۔ یا صورت کا برا ہو۔ اُس کے  
 نہ لینے کا مضائقہ نہیں۔ اس کے سوا اور میسوں بھوریوں  
 کے عیب جو لوگوں نے ٹھیرا رکھے ہیں ان عیبوں کا خیال  
 تم ہرگز نہ کرنا۔ اس زمانہ میں لوگ اُس شخص کو بہت بڑا

سالو تری اور چابک سوار جانتے ہیں جو کسی لاگ سے  
 عیب دار گھوڑے کو بے عیب کر کے خریدار کے سر منڈھ دے  
 یہ بہت بڑا عیب ہے۔ تم گھوڑے کی سوداگری کرو تو مول  
 تول کرنے سے پہلے گھوڑے کا ایک ایک عیب جتنا دینا۔  
 بعضے لوگ سوداگری مال کو برسوں اس امید پر پڑا رکھتے  
 ہیں کہ جب دگنا تگنا نفع ہوگا تب بیچیں گے۔ جن کو یہ خیال  
 ہوتا ہے وہ ہمیشہ ٹوٹے میں رہا کرتے ہیں۔ اور جو اسی  
 وقت اُونے پُونے کر کے بیچ دیتے ہیں وہ بہت کم نقصان  
 اٹھاتے ہیں۔ کامی آدمی سے ملنے جاؤ تو اُس کی فرصت  
 کے وقت جانا۔ نہیں تو تمہارا جانا اُس کو ناگوار معلوم ہوگا  
 ایسے لوگوں سے دوستی کرنی نہ چاہیے جو بے ضرورت  
 آکر تمہارا وقت ضائع کر جائیں۔ وقت کو جان سے بھی  
 زیادہ عزیز سمجھنا۔ جو کام ہمیشہ کرنے پڑتے ہیں اُن کے وقت  
 باندھ لینا۔ یہ نہیں کہ جو کام جب چاہا کر لیا۔ اس کا فائدہ  
 اسی وقت معلوم ہوگا جب وقتوں کی پابندی اختیار کرو گے  
 بعضے لوگ اپنی بیویوں پر تشدد کرنے کو نہایت انتظام  
 لے سکتی۔ بدسلوکی۔

کی بات جانتے ہیں۔ اور ہر وقت اُن سے بدگمان رہنے کو  
 کمال غیرت اور حمیت سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ اپنی زندگی آپ  
 تلخ کرتے ہیں اور عورتوں کا صبر اپنی گردن پر لیتے ہیں۔  
 مجھ کو میری شادی کے دن عین رخصت کے وقت خواہ  
 صاحب و قبلہ نے یہ نصیحت کی تھی کہ ”عورتوں سے بدگمان  
 رہنے کی ممانعت حدیث میں آئی ہے“ میں نے اُن کی  
 اس نصیحت سے بہت فائدہ اٹھایا۔ تم بھی اس نصیحت کو  
 کبھی نہ بھولنا۔ مصیبت کے وقت استقلال کو ہاتھ سے  
 نہ دینا۔ ہمیشہ صبح کو سویرے اٹھنا۔ جس سے ملو اُس سے  
 کوئی نہ کوئی بات سیکھنے کا ارادہ رکھنا۔ کابل وجود اور  
 امتیازی بن کر نہ بیٹھنا۔ اور نوکروں کو صرف یہ سمجھنا کہ یہ بھی  
 ایک ہمارے مددگار ہیں۔ جب تم کسی بڑے کام میں مصروف  
 ہو تو چھوٹے چھوٹے کام اُن سے لینا۔ اور جو تمہارے آگے  
 کوئی بڑا کام نہ ہو تو اپنا کام آپ کرنے کو عیب نہ سمجھنا جن  
 لوگوں کے آگے نوکر چاکر کام کرتے ہیں اکثر وہ اُن کے  
 سہارے پر۔ آپ بالکل اپنا سچ ہو بیٹھتے ہیں۔ ایسے مزاج کے

آدمی ہمیشہ تکلیف اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ جتنی علموں کے  
 سیکھنے میں کوشش کرو۔ اتنی ہی نئی نئی زبانیں سیکھنے  
 میں سعی کرنا۔ مگر سب سے پہلے اپنی زبان درست کرنا۔ پھر  
 وہ زبان سیکھنا جس میں دین کی کتابیں ہوں۔ پھر بادشاہ وقت  
 کی زبان میں کمال حاصل کرنا۔ اس کے بعد جو زبان تھوڑی  
 بہت آجائے فائدے سے خالی نہیں۔ مگر بہت ضرور نہیں  
 تینوں زبانوں کا سیکھنا ہے۔ بعضے لوگ فارسی زبان  
 سیکھنے میں اپنی عمر تمام کر دیتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی کی بات  
 ہے۔ اس کی ضرورت تھی تو اہل عجم کی سلطنت میں تھی۔  
 اب وہ وقت گیا۔ اب انگریزی میں کمال پیدا کرنا چاہیے  
 اور فارسی صرف اتنی سیکھنی چاہیے جس سے اردو کو رونق  
 ہو۔ غرض جو بات عقل کے نزدیک اچھی ہو اُس کو لاکھ زمانہ  
 برا جانے تم کبھی اُس کو عیب نہ جانتا۔ اور جو بات عقل کے  
 نزدیک بڑی ہو اُس کو ہزار لوگ اچھا کہیں۔ تم ہرگز اُسے  
 اچھا نہ کہنا۔ اس کے بعد اپنی ساری قوم سے میری یہ عرض  
 سے کہ لڑکیوں کی تعلیم میں کوشش کریں۔ اور اُن کو جو

خدا تعالیٰ نے جو ہر قابل دیا ہے اُس کو خاک میں نہ ملائیں  
 اور اُن کے پڑھانے لکھانے میں جو ہزاروں فائدے اُن کے  
 اور عورتوں کے لیے ہیں اُنہیں مفت برباد نہ کریں۔ اور یہ  
 سمجھیں کہ جب روح یاد ہونے سے طوطے اور مینا کی  
 قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے تو عورتیں جو تمہاری ہم جنس  
 ہیں اُنہوں نے کیا تصور کیا ہے کہ علم پڑھنے سے اُن کو  
 کچھ فائدہ نہ پہنچے گا؟ پس جو کچھ وصیتیں مجھ کو کرنی تھیں کر چکی  
 اب سب کو میں اپنے اسلام پر گواہ کرتا ہوں۔ اور یہ  
 عہد کرتا ہوں کہ اب تک جو کچھ گناہ مجھ سے ہوئے۔ اگر  
 جیتا رہا تو جہاں تک ہو سکیگا ان سے بچونگا۔ اللہ برّس  
 باتی ہو س۔

# ساتویں مجلس

سید عباس کا بیان

سید عباس نے یہ وصیت نامہ پڑھ کر اپنے تربیت پانے کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ وہ کہتا تھا کہ آٹھ نو برس کی عمر تک میری والدہ نے مجھ کو مکتب میں نہیں بٹھایا بلکہ آپ ہی پڑھاتی لکھاتی رہیں۔ تین گھنٹے دوپہر سے پہلے اور دو گھنٹے دوپہر کے بعد۔ یہ پانچ گھنٹے تو میرے پڑھنے لکھنے کے تھے۔ اس کے سوا صبح سے لیکر رات کے دس بجے تک میرے تمام اوقات اور کاموں میں صرف ہوتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد ایک آدمی کو ساتھ لیکر جنگل کی ہوا کھانے جاتا تھا۔ اور سورج نکلنے ہی اٹھا پھر آتا تھا۔ وہاں سے آتے ہی گرم پانی سے نہا کر اچھے کپڑے پہنے اور جو کچھ ناشتا تیار ہوا وہ کھا لیا۔

اس میں اکثر سات بچے جاتے تھے۔ اب میرے پڑھنے کا  
 وقت آیا۔ دس بچے تک مجھ کو اماں جان برابر پڑھاتی  
 رہتی تھیں۔ اس کے بعد میں اور میری انا کا بڑا بیٹا  
 غلام امام جو میرے کو کا سے عمر میں ایک برس بڑا تھا  
 گیارہ بچے تک برابر اصطبل میں کھیلتے رہتے تھے۔ اس میں  
 دو چار محلے کے لڑکے اور بھی ہمارے ساتھ کھیلتے کو  
 آجاتے تھے۔ گیارہ بچے وہاں سے آکر کھانا کھایا۔ پھر  
 بارہ بچے تک اخبار دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ہمارے  
 پڑوس میں ایک خوشنویس رہتے تھے۔ اُن کے  
 ہاں جا کر نستعلیق کی مشق کرتا تھا۔ ایک بچے وہاں سے  
 آتا تھا۔ ظہر کی نماز پڑھ کر تین بچے تک پھر اماں جان  
 پڑھاتی رہتی تھیں۔ تین بچے ہی پڑھنے سے مجھے چھٹی  
 ہو جاتی تھی۔ اب پانچ بچے تک میں اپنی بندوق سے  
 کام رکھتا تھا۔ اسلام بیگ جو اباجان کے وقت سے  
 ہمارے ہاں نوکر تھا اُس کو بندوق لگانی خوب آتی تھی۔  
 وہ مجھے کو اصطبل میں لیجا کر نشانہ لگانا سکھاتا تھا۔ اسی پر

عصر کی نماز بھی پڑھ لی۔ پانچ بجے کے بعد اگر گرمی کا موسم  
ہوا تو نہا کر۔ اور نہیں تو اسی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر  
شہر کے باہر ہوا کھانے چلا جاتا تھا۔ شام کو وہاں سے  
اگر مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد  
تھوڑی دیر صحن میں ٹہلتا رہا۔ اس میں عشا کی نماز کا  
وقت بھی ہو گیا۔ پہلے وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر ایک  
گھنٹہ کتاب کا مطالعہ دیکھا۔ اس کے بعد اماں جان  
کی خدمت میں جا بیٹھا۔ اب دس بجے تک اُن کی باتیں  
سنتا رہتا تھا۔ اس میں کبھی تو امتحان کے طور پر کچھ  
پوچھنے لگتی تھیں۔ کبھی کوئی قصہ کہنے لگیں۔ کبھی کچھ نصیحت  
کرنے لگیں۔ دس بجتے ہی بھر میں اپنے پلنگ پر جا کر  
سو رہتا تھا۔ اب اس کی تفصیل سنئے۔ اماں جان ہمیشہ  
میرے لیے موٹا کپڑا بنواتی تھیں۔ اور یہ کہتی تھیں کہ میں  
کپڑے کی اول تو احتیاط بہت کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے  
اُس سے بدن قابو میں نہیں رہتا۔ اس کے سوا پسینا  
اچھی طرح نہیں آتا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب تک

نسام کھلے رہتے ہیں۔ انسان اکثر بیماریوں سے بچا رہتا ہے  
 مگر اُجلے کپڑے پہننے کی نہایت تاکید رکھتی تھیں۔ اور جو  
 لوگ کپڑا ہوتے ساتے میلے کچیلے رہتے ہیں۔ اُن کی  
 طرح طرح سے بھوکرتی رہتی تھیں تاکہ مجھے میلے کپڑے  
 سے نفرت ہو جائے۔ اور ہمیشہ سادہ کپڑا پہناتی تھیں  
 مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی بِنَت کی ٹوپی تک بھی  
 پہنی ہو۔ یا گرمیاں میں کنٹھی یا گھیر میں پمک لگائی ہو۔  
 جو کبھی کسی کے ساتھ کوئی لڑکا بالامصالح کے کپڑے  
 پہن کر آجاتا تو میرے روبرو اُن سے یوں کہتیں۔ بوا!  
 تم جو اپنے لڑکے کو ایسے کپڑے پہناتی ہو۔ کہیں اس کے  
 دشمنوں کو بھڑایا زنا نہ بناؤ گی؟ اور گرمی۔ جاٹا۔ برسات  
 کوئی موسم کیوں نہ ہو۔ انگرکھے کے نیچے سینہ بند ضرور  
 پہناتی تھیں۔ اور یہ تاکید تھی کہ سینہ کہیں سے کھلنے  
 نہ پائے۔ اور نہانے کی تاکید بھی حد سے زیادہ رکھتی تھیں  
 بیماری کاہلی کے سوا مجھے یاد نہیں کہ کسی دن میرا غسل  
 ناعہ ہوا ہو۔ وہ فرماتی تھیں کہ یہ جو پسینے سے روز میل

پیدا ہوتا ہے اس سے مسام بند ہو جاتے ہیں۔ اس کا  
 علاج یہ ہے کہ آدمی روز نہاتا رہے تاکہ بدن پر میل  
 جمنے نہ پائے۔ کھانا کھانے میں مجھ کو حکم تھا کہ روٹی  
 کم کھایا کرو۔ زیادہ اناج کھانے سے بدن تو بیشک موٹا  
 ہو جاتا ہے مگر دل و دماغ کا زور گھٹ جاتا ہے۔ ہاں  
 دودھ یا گوشت کا مضائقہ نہیں یہ جتنا چاہو کھاؤ۔ اور  
 یہ حکم تھا کہ ایک ہی بار پیٹ بھر کر نہ کھایا کرو۔ چاہو دن بھر  
 میں چار دفعہ کھاؤ مگر بھوک رکھ کر کھاؤ۔ پیٹ بھر کر  
 کھانے سے اول تو کھانا ہضم دیر میں ہوتا ہے۔ دوسرے  
 طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں کہنا نہیں کرتے  
 ذہن گند ہو جاتا ہے۔ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی  
 ہیں۔ اور نوالے کو خوب چبا کر نگلا کرو۔ اور زیادہ پانی  
 پینے سے اس قدر روکتی تھیں جیسے کوئی کسی برے کام  
 سے روکتا ہے۔ اور یہ فرماتی تھیں کہ جو آدمی اپنی پیاس  
 کو نہ روکے اُس میں اور جانور میں کچھ فرق نہیں۔ آدمی کو  
 اکثر جھوٹی پیاس لگا کرتی ہے۔ اس میں پانی پینا بہت



بُرا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد کم سے کم گھنٹہ بھر ضبط  
 کرنا چاہیے۔ اور سوتے سے اٹھ کر۔ راہ چل کر۔ محنت  
 کر کے اسی وقت پانی پینا نہیں چاہیے۔ کھیلنے کی  
 یہ صورت تھی کہ ہمارے رہنے کے مکان سے تھوڑی دور  
 ایک بہت بڑا کچا احاطہ کچا ہوا تھا۔ اُس میں گائے۔  
 بھینس اور گھوڑا بندھتا تھا۔ اور اُن کے لیے نیا پھونس  
 بھی وہیں رہتا تھا۔ وہاں ہم نے ایک اکھاڑا بنا رکھا تھا۔  
 وہیں کھیلتے تھے اور وہیں کشتی لڑتے تھے۔ ہمارے  
 ساتھ جو آدمی رہتا تھا اُس کو اماں جان کا یہ حکم تھا کہ  
 گیند۔ بلا۔ یا کبڈی یا بھاگ دوڑ یا کشتی کے سوا اور  
 کوئی کھیل نہ کھیلیں۔ اسلام بیگ جو مجھ کو بندوق لگانا  
 سکھاتا تھا۔ اُس کو بندوق کے بڑے بڑے کرتب  
 یاد تھے۔ مگر اماں جان نے یہ کہہ رکھا تھا کہ اس کو فقط  
 سیدھا نشانہ لگانا سکھا دو۔ اور کرتب ورتب میں  
 نہیں چاہتی۔ اسی طرح چابک سوار جو گھوڑے پر  
 چڑھتا سکھاتا تھا وہ بھی اپنے فن کا بڑا استاد تھا۔

اُس کو گھوڑا پھیرنے کے ہزاروں کرتب یاد تھے مگر اُسکو  
 بھی تاکید تھی کہ لڑکے کو اتنا کر دو کہ گھوڑے پر مان خوب  
 جننے لگے۔ باگوں کا حساب اس کی سمجھ میں آجائے نشست  
 بے قاعدہ نہ ہو۔ دُکلی۔ سرپٹ۔ گشت۔ پھرت کسی بات  
 میں عاجز نہ رہے۔ گھوڑا اڑانے میں پڑسی نہ اُکھڑے  
 گھوڑوں کے مزاج اور خوبو سے واقف ہو جائے۔ لگام  
 دینی۔ زین باندھنا۔ قازرہ کرنا۔ اگاڑی پچھاڑی لگانی۔  
 کھریا تھی کرنی۔ ان چیزوں میں سائیس کا محتاج نہ رہے  
 جو بیماریاں گھوڑوں کو اکثر ہوتی رہتی ہیں اُن کے علاج  
 سعالجے سے خبردار ہو جائے۔ اسی طرح میرے اُستاد  
 جن سے میں خط کی اصلاح لیتا تھا وہ بھی بہت سے خط  
 لکھنے جانتے تھے۔ خط نسخ۔ خط گلشن۔ خط عُبّار۔  
 خط طغرا۔ اور ان کے سوا اور بہت سے خطوں میں اُنکو  
 کمال تھا۔ مگر اماں جان کی یہ تاکید تھی کہ اس کو جس قدر بوسے  
 نستعلیق لکھنا بتا دو۔ بس اتنا ہو جائے کہ کوئی اسکا لکھا دیکھ کر  
 ناک نہ چڑھائے اور پڑھا اچھی طرح جائے۔ مجھے کچھ زیادہ

خوشنویس بنانا نہیں ہے۔ جو کمرہ مجھ کو اماں جان نے  
 رہنے کے لیے دے رکھا تھا وہ مکان کے صحن میں ایک  
 طرف کو بنا ہوا تھا۔ ہمارے گھر میں اور تو سب مکان  
 پرانی چال کے بنے ہوئے تھے مگر یہ کمرہ والد مرحوم نے  
 اپنے رہنے کے لیے نئی قطع کا بنوایا تھا۔ اس میں پورب  
 پچھم۔ اتر۔ دکھن چاروں طرف کی ہوا خاطر خواہ آتی تھی۔  
 اور اس کے گرد ڈیرھ گز چکلا برآمدہ نکلا ہوا تھا۔ اور  
 اس کے چاروں طرف تین تین گز زمین چمن کے لیے  
 چھٹی ہوئی۔ مجھ کو حکم تھا کہ رات دن اسی کمرے میں بیٹھا  
 اٹھا کر دو۔ اور میری کتابیں۔ اور پلنگ۔ اور اورٹھنا کچھونا  
 بھی اسی کمرے میں رہتا تھا۔ گھر میں اور مکان نہایت  
 عمدہ عمدہ بنے ہوئے تھے۔ مگر مجھے یہاں کے سوا اور جگہ  
 بہت کم بیٹھنے دیتی تھیں اور یہ کہتی تھیں کہ ہوا سب  
 مکانوں میں ہر وقت بھری رہتی ہے۔ اور ہوا کا خواص  
 پانی کا سا ہے۔ جس طرح پانی کہیں ٹھیر جاتا ہے تو چند  
 روز میں سڑ جاتا ہے۔ اسی طرح جس مکان کی ہوا روز

ستائز خاص ہو گیا ہے

نکلتی نہیں رہتی۔ وہاں بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اور ہوا جب ہی نکلتی رہے گی۔ جب دوسری طرف سے تازہ ہوا کے آنے کا رستہ ہوگا۔ اسی واسطے حکیموں نے یہ بات نکالی ہے کہ مکان کے دونوں طرف ہوا کے آنے جانے کا رستہ رکھنا چاہیے۔ بیٹا! اگلے وقتوں کے لوگ سیدھے آدمی تھے۔ مکانوں کی قطعاً قدیم سے چلی آتی تھی اُسی کو جانتے تھے۔ مگر تمہارے ابا نے جو نئے نئے علم سیکھے۔ اُن کو ان باتوں میں کمال سلیقہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے تو کئی بار یہ ارادہ کیا کہ اس مکان کو توڑ کر نئے سرے سے اپنے طور کا مکان بناؤں۔ مگر یہ بزرگوں کی نشانی تھی۔ میں نے زبردستی اُن کو اس ارادہ سے باز رکھا۔ جب انہوں نے لاچار ہو کر یہ کمرہ بنوایا +

جب تک میں مکتب میں نہیں بیٹھا۔ اماں جان کو زیادہ خیال میری خصلتیں درست کرنے کا رہتا تھا۔ حق یہ ہے کہ اولاد کے اخلاق اور عادات سنوارنے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں۔ مگر اُن کو اس کا ایسا گڑھا تھ لگا تھا کہ

اگر میں کسی قابل ہوتا تو ان کی تربیت سے بہت کچھ فائدہ  
 اٹھاتا۔ اول ان کی عادتیں اور خصلتیں ایسی تھیں جن کے  
 دیکھنے سے خود بخود آدمیت آتی تھی۔ دوسرے انہوں نے  
 باہر اور اندر کے نوکر بدلتے بدلتے ایسے آدمی چھانٹ لیے  
 تھے کہ کیا مرد اور کیا عورت سب خیر خواہی کے پتلے بنے  
 ہوئے تھے۔ اور جب سے انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ بیوی  
 کو جتنا لڑکے کی تربیت کا خیال ہے اتنا اور کسی چیز کا نہیں  
 جب سے اماں جان تو مجھ پر کیا روک ٹوک رکھتی تھیں جو  
 وہ رکھتے تھے۔ گھر میں رہتا تھا تو۔ اور باہر جاتا تھا تو چاروں  
 طرف سے مجھ کو یہی آواز آتی تھی کہ دیکھو میاں! یہ کیا  
 کرتے ہو؟ یہ بات اچھی نہیں۔ یہ بات بہت بُری ہے۔  
 یہ بات کرنے کی ہے۔ یہ بات کرنے کی نہیں ہے۔ تیسرے  
 اماں جان میرے ساتھ کچھ برتاؤ ایسا برتی تھیں کہ مجھ کو  
 ہر طرح سے اُن کا کہنا کرنا ہی پڑتا تھا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا  
 کہ کبھی اماں جان نے میرے ایک طمانچہ تک بھی مارا ہو۔  
 بلکہ ایک دو دفعہ کے سوا شاید کبھی بُرا بھلا بھی نہ کہا ہوگا۔

ممتاز خاں پریس



نہ جانا۔ سات آٹھ برس کی عمر تک ہمیشہ مجھ پر ان باتوں کی  
 تاکید رہی کہ کھانا کپڑا جیسا گھر میں ملا کرے۔ ویسا پہن لیا کرو۔  
 جن کو اچھا کھانے اچھا پہننے کا لپکا پڑ جاتا ہے وہ بڑے  
 وقت میں یا تو بھیک مانگتے ہیں یا چوری کرتے ہیں یا جوا  
 کھیتے ہیں۔ جب تک ایک نوالہ نگل نہ لو دوسرے پر ہاتھ  
 نہ دوڑا یا کرو۔ کھانا کھانے میں کپڑا دال سالن سے نہ بھرنے  
 پائے۔ بڑوں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ لپکانا نہیں  
 چاہیے۔ جن باتوں سے اوروں کو نفرت آئے جیسے ہاتھ  
 جھٹکنا۔ نوالہ کو زور زور سے چبانا۔ منہ کی چیز دسترخوان پر  
 گرانی۔ زور سے ڈکار لینی۔ نوالہ منہ میں لیکر پھر برتن میں ڈالنا  
 ایسی باتیں دسترخوان پر بیٹھ کر نہ کرنی چاہئیں۔ اسی طرح  
 کسی کی طرف تھوکنے۔ کسی کے آگے ناک پاک کرنی۔ کسی کی  
 طرف پیٹھ پھیر کر بیٹھنا۔ جو کوئی کچھ چیز دے اُس سے بے تکلف  
 لے لینا۔ کسی کے آگے ہاتھ پسا رنا۔ کسی کی بات میں  
 دخل دے بیٹھنا۔ بیہودہ بک بک کرنی۔ گالی دینی۔ جھوٹ  
 بولنا۔ قسم کھانی۔ دوپہر کو سونا۔ صبح کو سویرے نہ اٹھنا۔

اندھیرے میں بے ٹولے جھک جانا۔ دھوپ میں بیٹھنا۔  
 آگ سے تاپنا۔ آگ دیکھ کر نہ چلنا۔ بہت دوڑ کر یا بہت  
 آہستہ چلنا۔ قدم جما کر نہ رکھنا۔ ننگے بدن رہنا۔ ان  
 باتوں سے روکتی رہتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ بول  
 چال کی غلطیوں پر ٹوکتی رہتی تھیں۔ اول تو مجھ کو یہ قاعدہ  
 سکھائے کہ بڑوں سے کیونکر بولنا چاہیے۔ اور چھوٹوں سے  
 کیونکر گفتگو کرنی چاہیے۔ مجھ کو ہمیشہ یہ تاکید تھی کہ تو کبکے  
 ادنیٰ حلال خوری سے بھی کبھی نہ بولنا۔ جب کہنا تم کہنا۔  
 اور بڑوں سے یا برابر کے نئی جان پہچان والوں سے  
 آپ یا حضرت کہ کر بولنا چاہیے۔ اور جو شخص عمر یا رتبے  
 میں برابر ہو اور اُس سے ایسی ہی بے تکلفی ہو تو جا ہو  
 آپ کہو چاہو تم کہو۔ اور بڑوں کے آنے کو تشریف لانا  
 اور جانے کو تشریف لے جانا۔ اور بلانے کو یاد کرنا۔  
 اور اُن کے مزاج کو مزاجِ مبارک یا مزاجِ عالی۔ اور  
 اُن کے سلام کو تسلیم یا آداب یا کورنش یا بندگی۔ اور  
 اُن کے گھر کو دولت خانہ۔ اور اُن کے کہنے کو فرمانا۔ یا

ارشاد کرنا۔ اور اُن کی اولاد کو صاحب زادہ یا صاحبزادہ  
 اور اُن کے نام کو اسم مبارک۔ یا اسم سامی۔ یا اسم شریف  
 اور اُن کے وطن کو وطن مالوف کہنا چاہیے۔ اسی طرح  
 اپنے آنے کو حاضر ہونا اور کہنے کو عرض کرنا۔ اور گھر کو  
 غریب خانہ۔ اور اولاد کو بندہ زادہ یا بندہ زادی کہنا  
 چاہیے۔ اور اپنے تئیں ہم کہنا۔ اور اپنے نام کے ساتھ  
 سید یا شیخ یا مرزا لگانا بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔  
 اس کے سوا جب میری زبان سے کوئی غلط لفظ نکلجاتا  
 تو اُس کو صحیح کر کے بتا دیتی تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ  
 میرے منہ سے پھول والوں کی سَیِل نکل گیا۔ اناں جان  
 نے جو سنا۔ مسکرا کر کہنے لگیں۔ بیٹا! اس شہر سے  
 اور ساری خوبیاں تو بہت دن سے جا چکی تھیں۔ ایک  
 لے دے کے ٹوٹی پھوٹی زبان رہ گئی تھی سو اُس کو بھی  
 تم کھویا چاہتے ہو۔ سنو! آج سے یہ بات یاد رکھو کہ  
 جب کوئی نیا لفظ کسی سے سنا کرو۔ ہم سے پوچھ لیا کرو۔  
 کہ یہ لفظ صحیح ہے یا غلط ہے؟ بعض غلطیاں تو ایسی ہیں

جن کو جاہل اور بازاری لوگ ہی بولتے ہیں اور کوئی نہیں  
 بولتا جیسے سیر کو سیل - مزاج کو مجاز - نسخہ کو نخسہ - کبوتر  
 کو قبوتر - پتھر کو پھتر - دروازہ کو دروزہ - بازار کو بازار -  
 محروم کو نامحروم - ناحق کو بے ناحق - اور ان کے سوا اور  
 سینکڑوں لفظ ہیں - سوان کا بولنا بڑے عیب کی بات  
 ہے - اور بعض غلطیاں ایسی ہیں جو پڑھے لکھے اور  
 ان پڑھے سب کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں - جیسے تابعدار  
 بادشاہت - خیر او - چاکو - بکرید - مرغن - شاہباش - شاہبشی  
 لاچار وغیرہ - سو ایسی غلطیوں کا کچھ مضائقہ نہیں - اسکے  
 سوا بہت سے اچھوتے لفظ ایسے ہیں کہ عورتیں ہی بولتی  
 ہیں مرد نہیں بولتے - جیسے نوج - دور پار - چھائیں پھوئیں  
 اب سے دور - چل دور - سدھارنا - موا - پچھل پائی -  
 واری - اچھی - اجڑا - مرنے جوگا - بھیا - بھینا - نکسو جاننا  
 پنڈا - بوا - مردوا - رسنا بسنا - ٹگورا - جھلسا - بھاڑ میں  
 جائے - چولھے میں جائے - آگ لگو - درگور - بختاوری

بودلی وغیرہ۔ دیکھو کبھی کسی کے سامنے ایسے لفظ بول اٹھو۔  
 لوگ تمہیں تو کچھ نہیں کہنے کے۔ ہاں یہ کہیں گے کہ لڑکا  
 ماں کی صحبت میں رہ کر بولی بھی عورتوں ہی کی بولنے لگا۔  
 غرض آدمی کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنی زبان کو درست  
 کرے۔ پھر اور زبانیں سیکھنے کا ارادہ کرے۔ نہیں تو وہی  
 مثل ہوگی کو اچلا ہنس کی چال اپنی بھی چال بھول گیا۔  
 بس اسکا قاعدہ یہی ہے کہ جب کسی سے کوئی نیا لفظ سنو  
 پہلے یہ دیکھ لو کہ اس شخص کے بولنے کی سند بھی ہے یا  
 نہیں؟ اگر کوئی اُن پڑھ یا بازاری آدمی ہے تو اُس لفظ کو  
 جب تک کسی قابل آدمی کی زبان سے نہ سنو۔ کبھی زبان پر  
 نہ لاؤ۔ اور سنو! کچھ زبان پڑھنے لکھنے سے درست  
 نہیں ہوتی بلکہ دھیان رکھنے سے ہوتی ہے۔ جو پڑھے  
 لکھے اس کا خیال نہیں رکھتے ہمیشہ غلط لفظ بولتے ہیں  
 اور جن کو یہ خیال رہتا ہے وہ اُن پڑھ ہوں یا باہر کے  
 رہنے والے ہوں چند روز میں شہر کی زبان سیکھ جاتے  
 ہیں۔ اس کے سوا وقت بے وقت مجھ کو اور کام کام کی

باتیں سکھاتی رہتی تھیں۔ جو لفظ عربی یا فارسی کے  
 اردو میں بولے جاتے ہیں ان کے معنی۔ عربی۔ انگریزی  
 فارسی۔ ہندی ہینوں کے نام۔ سنہ ہجری۔ عیسوی  
 فصلی۔ بکرمی کی مفصل۔ جستری سے تاریخ نکالنے کا طریقہ۔  
 چھوٹے بڑوں کے القاب۔ گھڑی گھنٹے کی کوک۔ اور  
 سوئیوں کا حساب، مقیاس، موسم۔ قطب نما۔ دُور بین۔  
 خُرد بین۔ ان سب چیزوں کے دیکھنے کا قاعدہ۔ نقشہ  
 سمجھنے کا گر۔ اور اسی طرح کی اور بیسیوں باتیں زبانی  
 بتاتی رہتی تھیں۔ اس کے سوا ایک بڑی بی بغداد کی  
 رہنے والی اتفاق سے شہر میں آگئی تھیں۔ یہ عربی اور  
 فارسی دونوں زبانیں خوب بولتی تھیں۔ اور ان کو منظور  
 یہ تھا کہ اگر کوئی میرے کھانے کپڑے کا ذمہ کرے تو یہیں  
 رہ بڑوں۔ کیونکہ اول تو عمر زیادہ تھی۔ دوسرے وطن  
 بہت دُور تھا۔ آگے چل کر خرچ کی ایک کوڑی پاس  
 نہ تھی۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ جو دن زندگی کے ہیں یہیں  
 کاٹ دیجئے۔ شہر میں نواب ذوالفقار الدولہ کے ہاں

ٹھیری ہوئی تھیں۔ اماں جان نے جو اُن کی تعریف سنی  
 ایک دن دعوت کے بہانہ سے اُن کو بلایا۔ دیکھا تو  
 حقیقت میں اُن کی دونوں زبانیں نہایت اچھی تھیں۔  
 اماں جان نے اُن کے خرچ کا ذمہ کر کے اپنے ہاں رکھ لیا  
 اور اُن کی ایسی خاطر داری کی کہ اُن کا بھی جی یہاں سے  
 کہیں اور جانے کو نہ چاہا۔ وقت بے وقت جب مجھے  
 اور کاموں سے فرصت ہوتی۔ اُن سے گفتگو کرنے بیٹھ جاتا  
 اگرچہ میں نے عربی فارسی کچھ بہت نہیں پڑھی۔ مگر  
 اُن کی صحبت میں مجھے یہ دونوں زبانیں بولنی ایسی آگئیں  
 کہ جس طرح اپنی بولی میں میری زبان کہیں نہیں رکتی  
 یہی حال ان دونوں زبانوں میں ہے۔ خیر یہاں تک تو  
 زبانی تربیت کا بیان ہوا۔ اب پڑھنے کا حال سنئے۔  
 جب مجھ کو ساتواں برس لگا۔ اور ایک سپارہ اور  
 پنج سورہ میں حفظ کر چکا۔ اماں جان نے مجھے اردو اور  
 حساب شروع کرایا۔ نو برس کی عمر تک جس طرح  
 انہوں نے مجھے تعلیم کیا اُس کی تفصیل بیان کرنے کو تو

ایک مدت چاہیے مگر چند باتیں جن سے پڑھنے لکھنے میں  
 میری لئے روز بروز بڑھتی جاتی تھی وہ یہ تھیں کہ اول تو  
 جس دن سے میں نے کتاب پڑھنی شروع کی۔ اماں جان  
 نے میرے کمرے میں پڑھنے لکھنے کے سامان کے سوا کچھ  
 نہ رکھا۔ سارے کمرے میں یا کتابیں تھیں یا ملکوں کے  
 نقشے دیواروں میں لگے ہوئے تھے۔ یا تختی۔ دوات۔ قلم  
 کاغذ۔ سلیٹ۔ ابرمردہ۔ پنسل۔ برٹر۔ یہ چیزیں تھیں۔ یا  
 لکھنے کی میز تھی۔ یا میرا پلنگ۔ اور اوڑھنا بچھونا۔ اور  
 فیبل سوز۔ اور فرش۔ چاندنی تھی یا گھڑی گھنٹہ تھا۔  
 اس کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ گویا وہ سارا کمرہ ہر وقت  
 مجھے تعلیم کرتا رہتا تھا۔ اس کے سوا جب اماں جان نے  
 مجھے پڑھانا شروع کیا تو دس پندرہ دن تک میرا جی  
 پڑھنے میں جیسا چاہیے ویسا نہ لگا۔ جب تک وہ بیٹھی  
 پڑھائے جاتیں۔ میں بھی ان کے خوف سے پڑھے جاتا۔  
 جہاں وہ اٹھ کر کسی کام کو گئیں میں نے کھیلنا شروع کیا۔  
 اسوں نے میری لاگ بڑھانے کے لیے غلام امام جو انا کا

بڑا بیٹا تھا اُس کو بھی میرے سبق میں شریک کر دیا۔ وہ  
 مجھ سے عمر میں بھی بڑا تھا۔ اور اُس کا ذہن اور حافظہ بھی  
 بہت اچھا تھا۔ اب مجھ کو یہ فکر ہوئی کہ ایسا نہ ہو اس سے  
 کسی بات میں جھینپنا پڑے اور ایک دو بار جو اماں جان نے  
 پڑھنے میں اُسے شابشی دی اور مجھے کچھ نہ کہا۔ اس بات  
 سے میرے دل پر ایک اور چوٹ لگی۔ اب دم بدم میرا شوق  
 بڑھنا شروع ہوا۔ اسکے سوا امتحان کی ایک ایسی کڑ لگی  
 ہوئی تھی کہ خواہی نخواستہ ہی محنت کرنی پڑتی تھی۔ اماں جان کا  
 قاعدہ تھا کہ اتنا پڑھاتی نہ تھیں جتنا پوچھتی تھیں۔ اول تو  
 جس وقت سبق پڑھانے بیٹھتیں پہلے پانچ سات باتیں  
 پچھلے سبق کی ضرور پوچھ لیتیں۔ دوسرے رات کو جو  
 اُن لے بیٹھنے کا معمول تھا اُس میں بھی اکثر سوال کرتی رہتی  
 تھیں۔ پھر جمعرات کا دن خاص امتحان ہی کے لیے مقرر  
 تھا۔ مگر سوال ایسے آسان کرتیں جن کے جواب دینے میں  
 ہم کو زیادہ وقت نہ پڑے۔ کیونکہ جس دن ہم امتحان میں  
 لے شرمندہ ہونا۔

یاد کرا تیں کہ ہم پڑھتے پڑھتے ہلکان ہو جاتے۔ مجھے  
 خوب یاد ہے کہ اماں جان نے مجھ سے پہاڑ سے یاد  
 کرانے میں ایسی محنت لی تھی کہ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ  
 شاید ساری عمر مجھ سے یہی پہاڑ سے یاد کرائے جائیں گی  
 ہم روز پانچ چار پہاڑ سے یاد کر کے سنا دیا کرتے تھے  
 مگر وہ یہی کہتیں۔ میاں! ابھی خوب زبان پر نہیں چڑھے  
 اور یاد کرو۔ میں غلام امام سے کہا کرتا تھا کہ بھئی جس دن  
 ان پہاڑوں سے پیچھا چھوٹے گا میں تو ایک آنے کے  
 بتائے بانٹوں گا۔ جب ہم کسی بات کا جواب غور سے  
 نہ دیتے اور یونہی وہی تباہی بک اٹھتے تو کسی  
 نہ کسی حکمت سے ہماری فکر پر زور ڈالتیں۔ کبھی کہتیں  
 جو صحیح صحیح جواب دے دیگا اسکو کل آدھے دن سے  
 چھٹی مل جائیگی۔ کبھی کہتیں۔ جو اس وقت ہمارا دل خوش  
 کر دیگا ہم اسکو ایک بہت اچھی چیز دیں گے۔ اور جب  
 ہم خوب فکر کر کے ٹھیک ٹھیک بات بتا دیتے تو جو وعدہ  
 لے تھک جاتے۔

حسن پانی پی

کیا تھا وہ پورا کر دیتیں اور یہ فرماتیں۔ کیوں جی! اگر میں  
 لالچ نہ دیتی تو تم کا ہیکو غور کرتے؛ ایک دن کا ذکر ہے کہ  
 ہم اسی وقت باہر سے بھان متی کا تماشہ دیکھ کر آئے  
 تھے۔ اماں جان نے آتے ہی ہم سے کچھ عدد لکھوائے  
 یہاں تو دھیان اُدھر لگا ہوا تھا لکھتا کون؛ خیر جوں توں  
 کر کے کچھ لکھا۔ مگر ایک آدھ عدد کے سوا سب غلط لکھے  
 انہوں نے تین یا چار بار لکھوائے۔ پھر بھی صحیح نہ ہوئے  
 انہوں نے کہا۔ لو بیٹیا! جلدی سے یہ سب عدد لکھ لو تو  
 ہم تمہیں ایک بڑے مزے کی بات سنائیں۔ ہم نے فوراً  
 سوچ سوچ کر سب صحیح لکھ دیے۔ پھر میں نے کہا۔ اماں  
 جان! وہ کیا بات ہے۔ اب سنا دیجے؛ فرمایا۔ بیٹیا!  
 تم نے اماں کو بھی جا کر دیکھا اُس کا کیا حال ہے؛ میں نے  
 کہا خیر تو ہے۔ کیا ہوا؛ کہا۔ تم اس وقت باہر تھے۔ یہاں  
 کوٹھے پر مور ناچ رہا تھا۔ اماں صاحب جو باور چرخانہ سے  
 گھی کی ہانڈی کو ٹھڑی میں رکھنے چلیں۔ پیچھے پھر پھر کے  
 مور کو دیکھتی جاتی تھیں۔ آگے کہیں پنسیری پڑی تھی۔



ٹھوکر جو لگی چاروں شانے چٹ جا پڑیں۔ ہانڈی کی  
 ہانڈی گئی۔ گھی کا گھی برباد ہوا۔ اپنے ہاتھ پاؤں میں  
 چوٹ لگی سو جدا۔ ذرا ان کو جا کر دیکھو تو سہی۔ میں نے  
 کہا۔ ماں بھی زری احمق ہی ہیں۔ اماں جان نے کہا۔  
 میاں! اسی پر کیا موقوف ہے۔ آدمی جب ایک کام  
 کرنے میں دوسری طرف دھیان رکھیگا۔ اُس کا یہی  
 حال ہوگا۔ میں تم سے بارہا کہہ چکی ہوں کہ جب تم سے  
 کوئی بات پوچھا کریں تو تم اسی میں دھیان رکھا کرو۔  
 اُس وقت کھیل تماشے کا خیال چھوڑ دیا کرو۔ غرض قصہ تو  
 بہت طول طویل ہے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ نو برس کی عمر  
 میں اماں جان نے مجھ کو ایک سپارہ اور پنج سورہ تو  
 نوک زبان یاد کرا دیا۔ اور اردو عبارت پڑھنی اور  
 سمجھنی مجھے ایسی آگئی جیسی چاہیے۔ فارسی میں گلستاں  
 بوستاں۔ مالابہد۔ اخلاقِ محسنی۔ عربی میں صرف نحو  
 کے دو دو تین تین رسالے۔ حساب میں اربعہ متناسبہ  
 اور کسور عام۔ اس کے سوا جغرافیہ ہندوستان۔ تاریخ ہند

یہ سب چیزیں مجھ کو پڑھا دیں۔ اس میں نستعلیق کی تمام تختیاں اور کچھ کچھ قطعے بھی میں نے صاف کر لیے۔ مگر مجھ کو جو اماں جان نے اب تک مکتب میں نہیں بٹھایا تھا۔ اس لیے ہمارے سارے کنبے میں اس بات کا چرچا تھا کہ دیکھو میرا مجدد علی مرحوم کے لڑکے کو اس کی اماں نے اب تک مکتب میں نہیں بٹھایا۔ آج کو میرا صاحب جیتے ہوئے تو وہ کہیں کا کہیں پہنچتا۔ دیکھیے عورتوں کے پھندے میں جا پھنسا ہے۔ خدا ہی ہو جو یہ لڑکا پڑھ لکھ کر کسی قابل ہو۔ ہمارے مکان کے برابر دو مکان اور ملے ہوئے تھے۔ ایک میں تو دادی جان رہتی تھیں اور دوسرے میں چھٹی اماں رہتی تھیں۔ دروازے تو تینوں مکانوں کے الگ الگ تھے مگر اندر کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان میں سے عورتوں کی آمد و رفت برابر رہتی تھی۔ دادی صاحب تو کدھی کدھا تشریف لے آتی تھیں مگر چھٹی اماں کا ایک پھیرا روز ہوتا تھا۔ اور ان کی صاحبزادی خدیجہ خاتون جن کو میری مخدومہ

ہی نے پڑھایا لکھایا تھا۔ وہ جب اپنی سسرال سے  
 آتی تھیں سارے دن ہمارے ہی گھر رہتی تھیں۔ مجھے  
 خوب یاد ہے کہ میری عمر کچھ کم نو برس کی تھی اور رمضان  
 کا مہینا تھا کہ ایک دن پھپھی اماں ہمارے ہاں بیٹھی تھیں  
 اور آپا خدیجہ بھی اُس دن آئی ہوئی تھیں۔ باتوں باتوں  
 میں اماں جان سے کہنے لگیں۔ بوا! سید کی کیا عمر ہوگی؟  
 انہوں نے کہا۔ بکرید کی اٹھارویں کو دسواں برس لگیگا۔  
 پھپھی اماں نے کہا۔ بی! میں جانتی ہوں۔ شاید تمہارا  
 ارادہ اسے پڑھانے لکھانے کا نہیں ہے؛ زمانہ کا  
 دستور ہے کہ جہاں بچہ کی بسملہ ہوئی اُسے مکتب میں  
 بٹھا دیا۔ تمہارے بچے کو سلامتی سے اب دسواں برس  
 لگنے لگا ہے۔ تم نے آج تک اُسے اُستاد کی شکل  
 نہیں دکھائی۔ سچ تو کہو تمہارا ارادہ کیا ہے؛ کہیں اسکے  
 دشمنوں کو دور پار جاہل رکھو گی؛ ہمارے گھرانے میں  
 نو آج تک کوئی جاہل نہیں ہوا تھا۔ اماں جان نے کہا  
 صاحب پڑھتا تو ہے۔ اور کس طرح پڑھا کرتے ہیں؛ اب

خدا کریگا اُس کو دسواں برس لگیگا تو کتب میں بھی  
 بٹھا دوں گی۔ پچھتی اماں نے بدمزہ ہو کر کہا۔ بوا !  
 تمہاری باتیں تو سارے جہان سے زالی ہیں۔ اگر  
 بچے گھروں ہی میں پڑھ لیا کریں تو استاد کے پاس  
 کوئی کاہے کو بٹھائے۔ ہم نے تو کسی کے بچے اس طرح  
 پڑھتے سُنے نہیں۔ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ۔ وہ سلامتی سے  
 پڑھتا کون سے وقت ہے؟ میں تو جب سنتی ہوں  
 یہی سنتی ہوں کہ لڑکا ہوا خوری کو گیا ہے۔ نہمار ہا ہے  
 اصطل میں کبڈی یا گیند بلا کھیل رہا ہے۔ کشتی لڑ رہا ہے  
 بچوں کے ساتھ دوڑتا پھرتا ہے۔ بندوق کے نشانے  
 لگا رہا ہے۔ گھوڑا پھیرنے گیا ہے۔ یا یہ سنتی ہوں  
 کہ گھر میں بیٹھا اماں جان سے کمانیاں سُن رہا ہے۔  
 یا بڑی بی کے ساتھ مفر زنی کر رہا ہے۔ اُسے  
 کبھی مارتیں تم نہیں۔ دھمکاتی تم نہیں۔ بھلا یہ بھی  
 کہیں پڑھنے لکھنے کے قرینے ہوتے ہیں۔ صاحب !

سہ طریقے۔ ڈھنگ۔

بچے کو جب تک چار پہر برابر استاد کی قید نہ رہے  
 پڑھنا لکھنا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک کل سے  
 اُس کو مدرسے میں بھیج دیا کرو۔ بس بہت آوارہ  
 رہ چکا۔ اتنی بھی ڈھیلی ڈور چھوڑنی اچھی نہیں۔ کیا تم  
 نہیں جانتیں کہ بھائی بہشتی کو علم کا کیسا شوق تھا؟  
 اس کی آوارگی سے اُن کے دشمنوں کی روح پر  
 صدمہ ہوگا۔ یہ سن کر اماں جان مسکرائیں اور یہ کہا  
 کہ باجی جان! اگر آپ اور میں اور میرا سیدہ دس برس  
 اور جیتے رہے۔ اور خدا کو بھی منظور ہوا تو اس آوارگی کا  
 ثمرہ دکھا دوں گی۔ اگر آج کو تمہارے بھائی جیتے پوتے  
 تو میری محنت کی داد دیتے۔ آپ میری بڑی ہیں۔  
 میری بزرگ ہیں۔ آپ کا کہنا میرے سر آنکھوں پر۔  
 مگر گستاخی معاف! آپ کو اس میں تجربہ نہیں ہوا  
 بچوں کا تسلیم کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ اس میں  
 جلدی کرنی اور دیر لگانی دونوں بُری۔ بچے کو نہ بہت  
 سے بڑی بہن سے پھل۔ نتیجہ۔

تنبیہ کرنی اچھی نہ بہت سر چڑھانا اچھا۔ نہ اُس سے اتنی  
 محنت لینی چاہیے کہ گھبرا اُٹھے۔ نہ ایسی مہلت دینی چاہیے  
 کہ آوارہ ہو جائے۔ بچہ پڑھنے لکھنے کی طرف سے ایک  
 وحشی جانور ہوتا ہے۔ اُس کو پرچانا اور قابو میں لانا کچھ  
 ہنسی کھیل نہیں ہے۔ آپ بہت دور کیوں جائیں؟ یہ تو  
 کل کی بات ہے کہ خدیجہ خاتون مجھ سے پڑھتی تھیں  
 پانچ برس کی عمر سے میرے ہی طور پر تعلیم پاتی رہیں۔ آج  
 خدا کے فضل سے ہماری ساری قوم کی لڑکیوں میں جس قدر  
 علم اور آدمیت اور ہر ایک بات کا سلیقہ ان میں ہے  
 کسی اور میں ہو تو بتا دو؟ انہی سے پوچھیے کہ میں نے  
 ان کو کون سے دن مارا؟ کون سے دن دھمکایا؟ تین  
 چار گھنٹے کے سوا میں نے کبھی پڑھنے میں ان سے  
 محنت نہیں لی۔ اور نہ آٹھ برس کی عمر تک میں نے  
 ان پر کسی طرح کی روک رکھی۔ وہ کونسا کھیل ہے جو  
 یہ نہیں کھیلیں؟ پچھتی اماں نے کہا۔ بی بیہاں میری بیٹی کا  
 کیا ذکر ہے؟ یہ تو عورت ذات تھی۔ پڑھتی پڑھتی۔

نہ پڑھتی نہ پڑھتی - ہمارے ہی کنبے میں سیکڑوں  
 لڑکیاں اُن پڑھ ہیں۔ کیا دُور پار اُن کو کہیں بڑے  
 نہیں ملنے کا؟ یا اُن کو کوئی مجلس میں نہیں بٹھانے کا؟  
 پر بھلے مانس کا بیٹا خدانہ کرے جو جاہل رہے۔ اور  
 بوا بَر امانو یا بھلا مانو ہم نے تو اپنی یاد میں کوئی لڑکا  
 مان سے پڑھتا دیکھا نہیں۔ خیر اپنی اپنی سمجھ ہے۔ تمہاری  
 سمجھ میں یوں ہی آیا۔ اب تم کسی کا کہنا کا ہے کو مانو گی؟  
 امان جان نے کہا۔ سچ کہنا باجی جان! جب خدیجہ خاتون  
 پانچ چھ مہینے کی تھیں تو تم اُن کو گھٹی کیونکر پلایا کرتی تھیں؟  
 کہا۔ چچوں سے پلاتی تھی اور کیونکر پلاتی؟ امان جان نے  
 کہا۔ جب یہ گھٹی پیتے پیتے رونے لگتی تھیں تو بھی  
 آپ برابر گھٹی ہی پلائے جاتی تھیں؟ کہا۔ بی جیسا  
 زمانہ کا دستور ہے۔ تھوڑی دیر انا کو دودھ پلانے  
 کے لیے دے دیتی تھی۔ جب خاموش ہو جاتی پھر  
 پلانے لگتی تھی۔ امان جان نے کہا اور اب جو کبھی

اُن کے دشمن ماندے ہوتے ہیں۔ اب بھی انہیں  
 ٹھنڈائی چمچوں ہی سے پلاتی ہو یا ایک ہی قدح بھر کر  
 پلوادیتی ہو؛ پھٹی اماں نے کہا۔ بوا خیر ہے۔ میں کوئی  
 دیوانی ہوں۔ جو اب چمچوں سے پلوادوں؛ اماں جان نے  
 کہا۔ بس یہی سمجھ لیجے۔ میرے نزدیک بچے کو علم  
 پڑھانا اور کڑوی دوا پلانی برابر ہے۔ اسی لیے جب تک  
 وہ علم کے فائدوں کو نہ سمجھے اُس کو تعلیم بھی اسی طرح  
 دینی چاہیے۔ جس طرح گھٹی کو تھوڑا تھوڑا کر کے  
 پلاتے ہیں۔ اور جس وقت اُس کا جی پڑھنے لکھنے سے  
 گھبرانے لگے تو کھیل کود میں اُس کا دل بہلانا چاہیے۔  
 اور میں نے تو اُس کے کھیلنے کا کوئی وقت ہی نہیں  
 چھوڑا۔ یہی باتیں جو آپ کے نزدیک آوارگی میں  
 داخل ہیں اگر مجھ سے پوچھیے تو پڑھنے لکھنے سے بھی  
 زیادہ مفید ہیں۔ آگے روز پانچ گھنٹے برابر پڑھتا ہے  
 بڑی بی سے فارسی عربی بولنی سیکھتا ہے۔ رات کو  
 جو میرے پاس گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھتا ہے اُس میں بھی

اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اول تو میں اس سے یہی پڑھنے لکھنے کی باتیں امتحان کے طور پر پوچھتی رہتی ہوں اس کے سوا جو کوئی قصہ کہانی کہتی ہوں۔ اُس سے بھی اس کو کچھ نہ کچھ نصیحت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ آدمی کا قاعدہ ہے کہ لاکھ اُس سے کسی بات کو کہو یا کسی کام سے منع کرو اُس کے کان پر جوں نہیں چلتی۔ اور جو قصے کہانیوں میں کسی چیز کی بُرائی یا بھلائی سُنتا ہے تو اُس کے دل پر نقش ہو جاتی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دن اماں جان نے میرے سامنے یہ نقل بیان کی کہ ایک بھلے مانس کا لڑکا کہیں بیاہنے چڑھتا تھا۔ اُس نے دو چار گھڑی کو کسی اپنے دوست کا دو سالہ مانگ لیا۔ جب بیٹی والوں کے ہاں جا کر برات اُتری۔ ایک آدمی نے پوچھا۔ کیوں صاحب! دولہا کون سے ہیں؟ جس سے دولہا نے دو سالہ مانگ لیا تھا۔ کہیں وہ بھی وہیں کھڑا تھا۔ کہا حضرت! دولہا تو وہ بیٹھے ہیں پر دو سالہ مانگے کا ہے۔ دولہا

بیچارہ یہ بات سن کر پانی پانی ہو گیا اور دوشالہ  
 اتار کر اُس کے حوالے کیا۔ اُس نے کہا بھئی اب کے تو  
 مجھ سے قصور ہو گیا۔ خیر اسے تو معاف کیجے۔ پر اب  
 ایسا نہیں ہونیکا۔ اور دوشالہ دوٹھا ہی کو پھر دیدیا  
 تھوڑی دیر میں ایک اور شخص اسی طرح پوچھتا ہوا  
 چلا آیا۔ اُس نے کہا صاحب! دوٹھا یہ بیٹھے ہیں اور  
 دوشالہ بھی انہیں کا ہے۔ دوٹھانے دوشالہ اتار کر  
 پھینک دیا۔ اور کہا ایسے اوچھے کے احسان سے  
 خدا بچائے۔ اُس نے پھر منت معذرت کر کے دوشالہ  
 دے دیا۔ تھوڑی دیر میں ایک تیسرا اور پوچھتا چلا آیا  
 اُس نے جلدی سے دوڑ کر کہا۔ حضرت! دوٹھا تو یہ ہیں  
 اور دوشالے کا کچھ ذکر نہیں۔ آخر لاچار ہو کر دوٹھانے  
 اُس کا دوشالہ اُس کے حوالے کیا۔ اور پھر تمام عمر  
 اُس سے کوئی چیز نہ مانگی۔ جس دن سے میں نے یہ  
 نقل سنی ہے احسان جتانے کو میرا کبھی جی نہیں چاہتا

۱۵ بہت شرمندہ ہوا۔

یہاں تک تو ہوا کہ اماں جان کی زندگی ہی میں ایک دن رات کے وقت دس گیارہ بجے مغلائی کی بیٹی کو پیاس لگی۔ اُس نے پانی مانگا۔ میں اُس وقت کچھ سی رہی تھی۔ میں نے اُٹھ کر اُسے پانی پلا دیا۔ اناں جان بھی کہیں اُس وقت جاگ رہی تھیں۔ صبح کو جان بوجھ کر مجھ سے پوچھنے لگیں۔ کیوں جی! تم رات کو بیٹھی سیاکیں اور انا کی بیٹی کو اُٹھ کر پانی نہ پلا یا گیا؟ میں نے اُن کی خفگی تو اُٹھائی مگر میرے منہ سے یہ نہ نکلا کہ میں نے تو اُسی وقت اُٹھ کر پانی پلا دیا تھا۔ میں نے کہا ایسا نہ ہو کہیں اس سے میرا اوجھا بن پایا جائے۔ جب اماں جان نے دیکھا کہ یہ اس خیال سے نہیں کتی۔ کہا بیٹیا! جب اپنے اوپر کسی طرح کا الزام آئے وہاں احسان جتنا کچھ بُری بات نہیں۔ ہے اور یہ کہہ کر مجھے گلے لگایا۔ اور یہ جو آپ نے کہا کہ عورت ذات کو بڑھنے لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اگر مجھ۔ سے پوچھیے تو

۱۰ سستی رہیں۔

عورتوں کو مردوں سے بھی زیادہ پڑھنے لکھنے کی ضرورت  
 باجی جان! آپ کو میرے ہی سر کی قسم۔ جب بھائی جان کا  
 خط آتا ہے اور اُس وقت کوئی پڑھنے والا گھر میں نہیں  
 ہوتا تو آپ کا جی گھبراتا ہے یا نہیں؟ اور جو پہر دو پہر  
 کوئی خط پڑھنے والا میسر نہ آئے اور اُس میں کوئی بات  
 جلدی کی لکھی ہو تو کیسی مشکل پڑے؟ اگر مرد ان پڑھ ہوگا  
 تو بلا سے کہیں نہ کہیں جا کر پڑھو تو لیگا۔

# آٹھویں مجلس

سید عباس کتا ہے کہ میری مخدومہ نے پھٹی صاحب کے  
 بحث تو اس قدر کی۔ لیکن اگلے ہی دن اُن کی ناخوشی  
 کے خیال سے مجھے اور غلام امام کو پڑھنے بٹھا دیا۔  
 ایک مولوی صاحب پُورب کے رہنے والے دلی میں  
 فقہ حدیث پڑھنے کو آئے ہوئے تھے۔ اُن کی استعداد  
 عربی میں تو بہت ہی اچھی تھی مگر فارسی میں بھی اُن کی  
 انشا پر دازی شہر میں مشہور ہو گئی تھی۔ پہلے تو امان  
 جان نے اُن کے سپرد کیا اور پانچ روپیہ مہینا اور  
 ایک وقت کا کھانا اُن کے لیے مقرر کر دیا۔ اور پانچ روپیہ  
 مہینا اور ایک وقت کا کھانا اُن کو ایک اور جگہ سے  
 ملتا تھا۔ اور دو ایک لڑکوں کو وہ بے تنخواہ بھی پڑھاتے  
 تھے۔ غرض ہم پانچ چار لڑکے اُن سے پڑھتے تھے۔

میں نے اور غلام امام نے برس دن کے قریب ان سے پڑھا۔ اس عرصے میں عربی صرف ونحو کے دو تین رسالے جو باقی رہے تھے وہ پڑھے۔ ایک آدھ کتاب فارسی میں دیکھی۔ کچھ مسودہ لکھا۔ مگر جیسا اماں جان کی تعلیم میں میرا شوق اور استعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی وہ بات یہاں بالکل نہ رہی۔ کیونکہ اول تو کوئی میرا ہم سبق نہ تھا۔ جس کی لاگ پر کچھ پڑھنے میں تندہی کرتا۔ سب لڑکے اپنے اپنے سبق جدا پڑھتے تھے۔ اور غلام امام جو میرا شریک تھا بیچ میں چند روز کو بیمار ہو گیا تھا پھر جو آ! تو اُس کا سبق مجھ سے کہیں سچھے تھا۔ مولوی صاحب نے اُس کو وہیں سے پڑھانا شروع کر دیا۔ دوسرے امتحان کا بھی اُن کے ہاں دستور نہ تھا۔ اس سے اور بھی ہم بے فکر رہتے تھے۔ اس کے سوا تم جانتے ہو ہمہمروں کی صحبت بھی غضب ہوتی ہے۔ جب تک وہاں رہتے اشاروں سے باتیں کرتے رہتے جب چھٹی ملتی تو ترکمان دروازے پتنگ بازی کی سیر

دیکھنے چلے جاتے۔ آخر یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ہم کو بھی پتنگ  
اڑانے کا شوق ہو گیا۔ آہ دو آنے جو اماں جان سوئے کے  
دیتی تھیں۔ وہ بھی اسی میں صرف ہونے لگا۔ چند روز  
میں جو کچھ بڑھا لکھا تھا سب چوٹ ہو گیا۔ مولوی صاحب  
نے بھی دیکھا کہ یا تو اس کا وہ حال تھا کہ مطالعہ بھی  
اچھا نکال لاتا تھا۔ سبق بھی روز یاد کر لیتا تھا۔ کبھی کبھی  
جو پچھلی بڑھی ہوئی کوئی بات پوچھی جاتی تھی۔ اُس کا  
جواب بھی خاصا دے دیتا تھا۔ یا اب روز بروز بگڑتا  
جاتا ہے۔ دو چار بار تو انہوں نے تنبیہ کی۔ مگر جب  
دیکھا کہ اس کو کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ایک دن میرے  
پس غیبت ڈیوڑھی پر آن کر سارا حال اماں کے ہاتھ  
اماں جان کو کھلا بھیجا۔ اور پتنگ بازی کی بھی اُن کو  
کچھ خبر لگ گئی تھی یہ بھی اماں سے کہ دیا۔ اماں جان نے  
اماں سے کہا کہ جاؤ مولوی صاحب سے میرا سلام کہو  
اور یہ کہو کہ آپ جانتے ہیں اس کی عمر اب مار کھانی کی  
لے نبھول گیا۔

بین پانی پی

نہیں ہے۔ سلامتی سے کوئی دن میں اب گیا رہواں  
 سال لگنے والا ہے۔ دو تین برس میں اللہ رکھو جوان  
 ہو جائیگا۔ دوسرے اُس کو غیرت بھی بہت ہے۔  
 مجھے گھر کتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ اگر مقابلہ کر بیٹھا  
 تو مشکل۔ اور جو دور پار کہیں چلا گیا تو اور زیادہ مشکل  
 پھر مجھے زندگی کا ثمنی دشوار ہو جائیگی۔ مگر مجھے امید ہے  
 کہ جو میں کہوں گی وہ مان جائیگا۔ الہی! دُنیا ہو اور  
 میرا سید عباس ہو آج تک تو کبھی میرے کہنے سے  
 باہر نہیں ہوا۔ مگر زمانہ بہت نازک ہے آج کل  
 اولاد کو ماں باپ سے پھرتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ خیر  
 جس طرح ہوگا میں اُس کو سمجھاؤنگی۔ مگر جن  
 لڑکوں کی صحبت میں وہ بگڑا ہے ان کا بندوبست آپکے ہاتھ ہے  
 یہ سن کر مولوی تو چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں جو گھر میں آیا تو اماں جان  
 کو اور دونوں سے زیادہ بہر بان پایا۔ خفگی کا تو کیا ذکر تھا۔ اور  
 الٹی بات بات میں خاطر داری کرنے لگیں۔ میں نے کچھ اڑتی سی  
 خبر سنی تھی کہ مولوی صاحب آج کچھ فریاد لے کر آئے تھے  
 لیکن ان باتوں سے وہ کھٹکا بھی جاتا رہا۔ رات کو جب  
 سب کھانا کھا چکے اماں جان اپنے معمول کے  
 موافق بیٹھ کر کچھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں

اس میں آپا خدیجہ بھی آگئیں اور میں تو پہلے ہی سے بیٹھا تھا۔ اماں جان اُن سے کہنے لگیں۔ لوبی! تم روز کہا کرتی ہو کہ مجھے پہیلیاں بوجھنی خوب آتی ہیں بھلا ایک ہماری پہیلی تو بوجھ دو؛ انہوں نے کہا۔ فرمائیے؛ سمجھ میں آجائیں گی تو بتا دوں گی۔ اماں جان نے کہا۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ خدا کی پیدائش آدمی بھی ہے جانور بھی۔ ان دونوں میں اچھا کون ہے؟ ابھی باجی جان جواب دینے نہ پائی تھیں۔ میں نے کہا کہ اماں جان! آپ کہیں تو میں بتاؤں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا میاں تم ہی بتاؤ۔ میں نے کہا۔ آدمی اچھا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کیوں میاں! آدمی میں جانور سے کونسی بات سوا ہے؟ کیا جانور کے دیکھنے کو آنکھ نہیں؛ یا سننے کو کان نہیں؛ یا سونگھنے کو ناک نہیں؛ یا مزہ اچکھنے کو زبان نہیں؛ یا وہ اپنے دشمن کو نہیں پہچانتا؛ یا وہ اپنے ہم جنسوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتا؛ ہمارے نزدیک تو جو باتیں آدمی میں ہیں۔ وہی جانور

میں ہیں۔ میں نے کہا۔ جانور میں آدمی  
 کی سی سمجھ کہاں ہے؟ اناں جان نے کہا۔ جانور تو  
 بات کو ایسا سمجھتا ہے کہ آدمی بھی نہیں سمجھتا۔  
 میں نے ایک کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک دریا پر  
 کچھ آدمی کشتی میں بیٹھے چلے جاتے تھے کہ ایک بارگی  
 طوفان آیا اور اُس کے زور سے کشتی ریتے میں  
 جا بیٹھی۔ اب وہاں سے اُن کے نکلنے کی کوئی سبیل  
 نہ تھی۔ ایک خدا کا بندہ دریا پر جا پہنچا۔ اُس کیساتھ  
 ایک گتا تھا۔ اُس نے جو کشتی والوں کا یہ حال دیکھا  
 فوراً ایک چھوٹی سی لکڑی گتے کے منہ میں دے کر  
 کشتی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اُس کے اشارہ کو  
 سمجھ گیا۔ اور دریا میں کود کر پانی کو چیرتا ہوا کشتی کے  
 لگ بھگ جا پہنچا۔ مگر آگے دھسن تھی۔ وہاں کیونکر  
 جاتا؟ اب کشتی والوں کا منہ تک رہا ہے اور یہ  
 جتا رہا ہے کہ اگر تم سے کچھ ہو سکے تو کرو۔ آخر اُنکی  
 سمجھ میں بھی آگئی۔ انہوں نے رسی میں ایک لکڑی

باندھ کتے کی طرف پھینکی۔ اُس نے اپنے منہ کی  
 لکڑی تو وہیں چھوڑی اور اُچک کر اُس لکڑی کو  
 منہ میں تھام لیا۔ اور اُس کو گھینچتا ہوا کنارے پر  
 پہنچا اور اپنے مالک کو دیدی۔ اب رسی کا ایک  
 سیرا تو اُس کے مالک نے تھام لیا اور دوسرا  
 کشتی والوں نے کشتی میں مضبوط باندھ دیا۔ اور  
 رسی کے سہارے سے ایک ایک آدمی وہاں سے  
 نکل آیا۔ سچ کہنا جس طرح وہ کتا اپنے مالک کے  
 دل کی بات کو اور کشتی والوں کے منصوبے کو  
 فوراً سمجھ گیا۔ اگر تم وہاں ہوتے تو تم بھی سمجھ جاتے؟  
 میں نے کہا۔ نہیں صاحب! یہ بات ہماری سمجھ سے  
 باہر ہے۔ اچھا ہم نے مانا کہ جانور بھی آدمی کی سی  
 سمجھ رکھتا ہے۔ لیکن اس میں آدمی کی سی محبت  
 اور وفاداری کہاں؟ ہاں جان نے کہا۔ بیٹا! بھلا  
 کتے کی وفاداری تو مشہور ہے۔ اس کو تو سینکڑوں  
 آدمی جانتے ہوں گے۔ مگر تم اس کو بھی جانے دو۔

تیتھر کی بھی کچھ حقیقت ہے، ایسا جان کسی انگریز سے  
 سُنی ہوئی کہتے تھے کہ ایک شخص نے تیتھر کو ایسا  
 بلایا تھا کہ وہ جہاں چاہتا تھا اڑ کر چلا جاتا تھا۔ اور  
 پانچ پانچ چھ چھ دن کے بعد پھر اُس کے پاس چلا  
 آتا تھا۔ جب تیتھر کا مالک بیمار ہوا اور اُس کی حالت  
 غیر ہوئی تو تیتھر نے سب دانہ پانی چھوڑ دیا۔ جب وہ  
 مر گیا اور اُسے دفن کرنے کو لے چلے تو تیتھر کا یہ حال تھا  
 کہ بار بار اُس کے جنازہ پر قربان ہوتا تھا۔ جب  
 لوگ اُسے گاڑ داب کر چلے آئے تو وہیں ایک  
 سرو کا درخت تھا اُس پر رہنے لگا۔ جب ٹھوک  
 لگتی تو وہاں سے اڑ کر اُس کے گھر چلا جاتا۔ اُسکی  
 ماں کچھ دانہ پانی اُس کے آگے ڈال دیتی۔ جہاں  
 پیٹ بھرا پھر اُس سرو کے درخت پر چلا آتا۔ آخر  
 تین چار مہینے کے بعد وہیں مر رہا۔ بھلا اس سے  
 زیادہ اور کیا وفاداری ہوگی؟ میں نے کہا۔ اماں  
 جان! خیر یہ بھی میں نے مانا۔ مگر آدمی میں اور ہزاروں

خوبیاں ایسی ہیں جو جانوروں میں نہیں۔ ہمارا سا  
 میرا اور استقلال ان میں کہاں ہے؟ ہماری سی تمیز  
 ان میں کہاں؟ ہم اپنے ہاتھ سے طرح طرح کی  
 چیزیں بناتے ہیں۔ کوئی جانور کی کاریگری تو دکھا دیجئے؟  
 ہمیں جہاں دشمن کا ڈر ہوتا ہے۔ وہاں اپنے بچاؤ  
 کے لیے کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں۔ بھلا جانور بیچارے  
 یہ باتیں کیا جانیں؟ اس کے سوا ہمیں جو کچھ سکھانے  
 سیکھ سکتے ہیں۔ جانور بھلا کیا سیکھے گا؟ اتنا جاننے  
 کہا۔ یہ بھی غلط ہے۔ ان میں سے کوئی بات ایسی  
 نہیں جو جانوروں میں نہ پائی جائے۔ خارپشت کے  
 بدن میں تم لکڑی چھو کر دیکھو وہ فوراً سمٹ کر گیند کی  
 صورت بن جائیگا اور جو چلتا ہوگا تو ٹھیر جائیگا۔ وہ جو  
 مثل مشہور ہے کہ ایک چپ سٹو کو ہرائے۔ سو یہ  
 بات سم نے اسی میں دیکھی ہے۔ بیٹا! اور صبر و استقلال  
 کسے کہتے ہیں؟ آگے تمیز کی جو پوچھو؟ تو گلہری کو  
 دیکھو کہ جب کسی پیڑ پر بیٹھ کر اُس کا پھل کھاتی ہے

تو پہلے کتر کتر کر اُسکا چھلکا اتار ڈالتی ہے اور گودا  
 کھالیتی ہے۔ کاریگری میں بھڑ اور مکڑی اور بیا  
 تم سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ بھڑ کا سا چھتا اور  
 بے کا سا گھونسلا اور مکڑی کا سا جالاتم سے  
 ہرگز نہیں بن سکتا۔ مکڑی کو خدا نے یہ کیسی سمجھ  
 دی ہے کہ جب کوئی بڑی مکھی اُس کے جال میں  
 آپھنستی ہے اور وہ دیکھتی ہے کہ اُس کے ترسے  
 سے جالا ٹوٹ جائیگا۔ تو وہ مکھی کے پاس سے  
 جالے کے تاروں کو اپنے دانتوں سے کاٹ دیتی،  
 مکھی فوراً نکل جاتی ہے۔ اور اپنے بچاؤ کی تدبیر تو  
 جیسی جنگلی بطخ کرتی ہے ایسی کسی سے بھی نہیں  
 ہو سکتی۔ میں نے سنا ہے کہ جب یہ اکھٹی ہو کر  
 اُڑتی ہیں اور کسی کھیت میں چلنے کو اُترتی ہیں۔ تو  
 پہلے اُسی کھیت کے گرد بیسیوں چکر لگالیتی ہیں۔  
 جب خوب دیکھ لیتی ہیں کہ یہاں کچھ کھٹکا نہیں ہے  
 تو نیچے اُترتی ہیں۔ اور اُتر کر دو دو گھڑی منہ اٹھائی ہوئے

چپ چاپ ادھر ادھر دیکھتی رہتی ہیں۔ جب کہیں  
 کچھ آہٹ نہیں پاتیں تو جو بطن اُن سب میں بڑی  
 ہوتی ہے وہ اُن کو کچھ ایسا اشارہ کرتی ہے کہ سب  
 قرینہ کے ساتھ کھیت میں پھیل جاتی ہیں مگر ایک بطن  
 برابر چوسکی کرتی رہتی ہے اور ایک پاؤں سے  
 کھڑی رہتی ہے اور دانہ جُگنے کے پاس نہیں جاتی  
 جب وہ اپنا پرہ دے چکتی ہے تو جو بطن اُس کے  
 پاس ہوتی ہے۔ زور سے اُس کو ٹھونگ مار دیتی  
 اور جو وہ پہلی ہی ٹھونگ میں ہوشیار نہ ہوئی۔ تو  
 اُس کے پر گھسوٹ لیتی ہے۔ اور چلانے لگتی ہے  
 جیسے کوئی فریاد کرتا ہو۔ پس اگر آدمی بھی اپنی  
 چوسکی کرے گا تو رات ہی کرے گا۔ اور یہ جو  
 تم نے کہا کہ جانور آدمی کی برابر تربیت نہیں قبول کرتا  
 یہ تمہاری نا تجربہ کاری کی بات ہے۔ اس بات میں  
 کتا اور گھوڑا کسی طرح آدمی سے کچھ کم نہیں۔  
 مدھے ہوئے کتے اور گھوڑے نے ہزاروں جگہ

ایسے کام لیے ہیں کہ کیا کوئی شہادتہ آدمی کریگا۔  
 — آخر جب ہم سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو  
 میں نے کہا۔ امان جان! پھر آپ ہی بتائیے کہ  
 آدمی اور جانور میں کیا فرق ہے؟ امان جان نے  
 کہا۔ بیٹا! آدمی اور جانور میں یہ فرق ہے کہ خدا تعالیٰ  
 آدمی کو وہ طاقت دی ہے کہ اگر چاہے تو اپنی عقل کے  
 زور سے پڑھتے پڑھتے کہیں کا کہیں پہنچ جائے  
 اور جانور بیچارہ اپنے جس حال میں ہے اس سے  
 ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دیکھ لو مکزی کا  
 جالا اور بئے کا گھونسلا اور بھڑکا چھتا۔ جہاں دیکھو گے  
 اور جب دیکھو گے ایک ہی وضع کا پاؤ گے۔ جو  
 گھونسلا بئے نے حضرت نوح کی کشتی میں بنایا ہوگا  
 اُس میں اور اب کے گھونسلوں میں بال برابر فرق  
 نہیں۔ اور آدمی کا کمال عقل کی بدولت یہاں تک  
 پہنچ گیا کہ اگر کوئی جنگلی آدمی دلی کی جامع مسجد اور  
 اگرہ کا تاج گنج دیکھ پائے تو بیشک اُس کو ایک

طلسمات کا عالم سمجھے۔ اسی طرح بھینس یا ہاتھی  
 جب دریا میں اُتریں گے۔ تیر کر اپنے سینہ کے  
 زور سے جائیں گے۔ اور آدمی نے اپنی عقل کے  
 زور سے طرح طرح کے پُل اور جہاز بنا کر دریا کا  
 سفر ایسا آسان کر دیا کہ آنکھ بند کر کے جہاں چاہو  
 چلے جاؤ۔ اسی طرح گھوڑے کو جب بھوک لگی  
 جنگل میں جا کر گھانسن پھونس سے اپنا پیٹ بھر لیگا  
 اور آدمی نے اپنے دل کی پُچ سے ایسے ایسے  
 کھانے نکالے ہیں کہ اگر کوئی پہاڑی آدمی دلی اور  
 لکھنؤ کے کھانوں کا مزہ چکھ لے تو انگلیاں چاٹتا رہے گا۔  
 مینا: ایک زمانہ وہ تھا کہ آدمی درختوں کے پتوں سے  
 اپنا بدن ڈھانک کر زندگی کے دن بُوڑے کرتے تھے  
 اور ایک زمانہ سے کہ ایک سے ایک عجیب کپڑا  
 ولایت سے چلا آتا ہے۔ آگے دنیا میں چاند اور  
 سورج کی روشنی کے سوا اور کوئی روشنی کی چیز  
 نہ تھی۔ پھر چرچر اور شمع اور کونول اور جھاڑ اور

فائوس نکلے۔ اب سُنتی ہوں کہ کلکتے میں لندن کے  
 عقلمندوں نے ایک کارخانہ بنایا ہے۔ وہاں سے  
 رات کو شہر کے ایک ایک مکان اور ایک ایک  
 دوکان میں خود بخود روشنی ہو جاتی ہے۔ اور ہر ایک  
 مکان کو تمام رات روشن رکھتی ہے۔ اور کتنا ہی  
 بڑا مکان کیوں نہ ہو اُس کے ایک ایک کونے میں  
 برابر پہنچتی ہے۔ آگے چل کر انگریزی دیا سلائیوں کو  
 دیکھو۔ پہلے جب کہیں گھانس پھونس سے آگ  
 جلاتے تھے جب جا کر چراغ جلتا تھا۔ اس کے بعد  
 گندک کی دیا سلائی نکلی۔ اُس سے گھانس پھونس  
 کی ضرورت نہ رہی۔ اب اس دیا سلائی سے  
 آگ کی بھی حاجت نہ رہی۔ دیا سلائی کو جہاں  
 بکس کے ڈھکنے پر رکھ کر ذرا گھسا فوراً دھکا اُٹھی  
 پہلے ٹوکا بچاؤ کہیں نہ تھا آدمی درخت کے  
 سایہ میں یا پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ کر دن کاٹ دیتے  
 تھے۔ رفتہ رفتہ مکان بننے لگے۔ اُن کی چھت اور

دیواروں سے ہوا کی کچھ کچھ روک ہو گئی۔ پھر لوگوں نے تہ خانے نکالے۔ اب خس کی ٹیٹاں اور چرنے کے پنکھے ایسے نکلے کہ جہاں لگا دو وہیں جنت کی ہوا آنے لگے۔ پہلے گرم ولایتوں میں پانی ٹھنڈا کرنے کی کوئی چیز نہ تھی۔ ہر موسم میں جیسا پانی ہوتا تھا پی لیتے تھے۔ لوگوں نے سوچتے سوچتے شورہ نکالا۔ شورے میں پلانے سے پانی ٹھنڈا ہونے لگا۔ پھر برف جمانے کی ترکیب نکالی۔ اور جاڑے کی برف سے گرمی اور برسات کے موسم میں کام لیا۔ مگر اس کا انتظام ذرا مشکل تھا۔ جب تک کوئی راجہ یا نواب یا بہت سے سوداگر مل کر اسکا کھٹا نہیں کرتے جب تک یہ کام نہیں چل سکتا اب ایک کل ایسی نکلی کہ ایک دفعہ ہزار پانسو کو خریدو۔ پھر جہاں چاہو اور جب چاہو۔ اور جتنی چاہو برف جانو۔ پہلے رستہ کاٹنے کی کیسی وقت تھی۔

گھوڑا - اونٹ - چھکڑا - بہلی - رحمہ - دن بھر میں  
پندرہ بیس کوس سے زیادہ نہ چل سکتی تھی - جہاں  
آدمی کو ہزاروں کوس کا سفر کرنا ہوتا تھا - وہاں  
سینکڑوں ہی روپیوں کا صرف بھی تھا - آدمی  
چلتا چلتا جدا ہلکان ہو جاتا تھا - آگے رستے صاف  
نہ تھے - چور - اچلے - ڈاکو - ٹھگ - مسافروں کو ٹوٹ  
لیتے تھے - بیس بیس کوس پانی کی ایک بوتل  
نہ ملتی تھی - اب دیکھو رستے کیسے صاف ہو گئے -  
چپے چپے کوئیں - نہریں - تالاب بنے ہوئے ہیں -  
رستہ لوٹنے والوں کا کہیں نام نہیں - پہلے کلکتے سے  
پشاور تک گھوڑوں کی ڈاک بیھی ہوئی تھی - آدمی  
آٹھ سات دن میں بے تکان ہزاروں کوس پہنچ جاتا  
تھا - اب اتنی دیر بھی نہیں لگتی - سنتی ہوں کہ  
ولایت میں ایک ریل گاڑی ایسی نکلی ہے جس میں  
ایک لشکرات دن میں آٹھ سو چالیس میل پہنچ سکتا ہے  
شہ پریشان - ختمہ -

آگے کہیں خبر بھیجی ہو تو وہ بات کی بات میں ہزاروں  
 کوس پہنچ سکتی ہے۔ سڑک کے کنارے پر جوتا  
 لگا ہوا ہے اُس میں خدا جانے کیا طلسم ہے کہ جسطرح  
 اب میں اور تم باتیں کر رہے ہیں۔ اسی طرح اس سے  
 ہزاروں کوس پر بیٹھے بات چیت کر سکتے ہیں۔  
 آگے روڑ کی کا حال جو سننے میں آیا ہے۔ وہ تو کچھ  
 سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ جو کام سو کار گیروں سے  
 سارے دن میں نہیں ہو سکتا۔ وہاں ایسے ایسے  
 ہزاروں کام ایک چٹکی بجانے میں ہو جاتے ہیں۔  
 غرض جہاں تک غور کرو گے اسی طرح کی ہزاروں  
 باتیں آدمی کی نکالی ہوئی دیکھو گے۔ یہ بات البتہ جانور  
 میں نہیں ہے۔ اب جو آدمی اپنی عقل سے کچھ کام  
 نہ لے۔ اور جس حال میں ہے اُسی حال میں خوش  
 رہے۔ اُس میں اور جانور میں کیا فرق رہا؟ بلکہ سچ  
 پوچھو تو وہ جانور سے بھی گیا گزرا ہے۔ کیونکہ جانور میں تو

لے جادو۔

حیوان پانی پیتی

سرے سے عقل ہی نہیں جو اُس سے کچھ کام لے۔  
 اور اس کے زور سے قدم آگے بڑھائے۔ اور  
 آدمی جو عقل کے ہوتے ساتے ایک بھنور میں پھنس جا  
 اور ہاتھ پاؤں مار کر باہر نہ نکلے اُس سے زیادہ نکمٹا  
 کون ہوگا؟ اسی واسطے بزرگوں نے کہا ہے کہ  
 جس شخص کے دو دن یکساں گذر جائیں اُس سے  
 زیادہ ٹوٹے میں کوئی نہیں۔ یعنی آدمی کو چاہیے کہ  
 ہمیشہ علم و ہنر سیکھنے میں قدم بڑھاتا چلا جائے۔ جو  
 آج معلوم ہے وہ کل نہ تھا۔ اور جو کل معلوم ہو گا وہ  
 آج نہیں۔ واری! بھلا آگے بڑھنا تو درکنار رہا۔  
 تم تو اور لٹے پیچھے ہتے جاتے ہو۔ آج تمہارے پیچھے  
 مولوی صاحب ڈیوڑھی پر آئے تھے۔ وہ کہتے تھے  
 کہ سید عباس نے جو کچھ پڑھا لکھا تھا سب بھلا دیا  
 آگے سبق پڑھنے بیٹھتا ہے تو عبارت غلط پڑھتا ہے  
 مطالعہ میں ایک حرف نکال کر نہیں لاتا۔ بیٹیا! اگر  
 پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں تو کیا تمہاری غیرت بھی

اڑ گئی؟ تم کو یہ شرم نہ آئی کہ آج تک مولوی صاحب نے  
 مجھے ہوں سے توں نہیں کیا۔ لڑکوں میں میری  
 بات بنی ہوئی ہے۔ اگر مولوی صاحب کو غصہ آ گیا  
 اور ہاتھ اٹھا بیٹھے یا کچھ منہ سے برا بھلا کہہ اٹھے  
 تو میری کیسی شیخی کر کری ہو جائے گی؟ تم کو یہ خیال  
 نہ آیا کہ میرے بڑوں میں آج تک کوئی جاہل نہیں ہوا  
 اگر میں نے چار حرف نہ سیکھے تو لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گا  
 تم نے یہ نہ سمجھا کہ چار برس کی عمر سے جو میری ماں  
 میرے پیچھے جان کھپا رہی ہے اسکی محنت کیسی  
 اکارت جائیگی؟ تم نے یہ نہ دیکھا کہ اب کوئی دینس  
 میرا بیاہ ہونیوالا ہے اگر ان پڑھ رہ گیا تو کنبے میں  
 اپنی بیٹی کون دے گا؟ غرض اماں جان کی ان  
 باتوں سے میرا یہ حال ہوا کہ شرم کے مارے زمین  
 میں گر گیا۔ اُس وقت تو مجھ سے کوئی بات بن نہ آئی  
 مگر اگلے دن جب مولوی صاحب کے ہاں جانے کا

وقت آیا تو میں نے اماں جان سے ہاتھ باندھ کر  
 عرض کیا کہ اگر آپ کو یہ منظور ہے کہ مجھے کچھ آجائے  
 تو سرکاری مدرسے میں بٹھا دیجئے۔ اگر پھر پڑھنے  
 میں قصور کروں تو جو چاہیے سزا دیجئے۔ اماں جان  
 کو یہ بات پسند آئی۔ اسی دن مجھ کو مدرسے میں  
 بھجوا دیا۔ اب میرا یہ معمول ہو گیا کہ صبح سے نو بجے  
 تک تو مولوی صاحب سے عربی اور فارسی پڑھتا  
 اور اسی میں سودہ بھی لکھتا۔ نو بجے گھر میں آکر  
 کھانا کھاتا۔ دس بجے مدرسے چلا جاتا۔ اتوار کے  
 دن مجھے اماں جان نے صبح سے دس بجے تک تو  
 شکار کی اجازت دے رکھی تھی۔ اور دو بجے سے  
 پانچ بجے تک دریا پر جا کر اسلام بیگ سے تیرنا  
 سیکھتا تھا۔ پندرہ برس کی عمر تک میرا یہی قرینہ  
 رہا۔ ریاضی۔ طبیعی۔ جغرافیہ۔ تاریخ۔ انگریزی حاصل کی  
 اور فارسی میں شاہنامہ۔ سکندرنامہ۔ آئین اکبری  
 وغیرہ۔ اور عربی میں ایک ایک دو دو کتاب فقہ حدیث

تفسیر کی۔ اور الف لیلہ اور نفتحۃ الیمن اور تاریخ تیموری  
 وغیرہ ادب میں مولوی صاحب سے پڑھی۔ اور  
 فارسی کی عبارت لکھنی بھی انہیں سے سیکھی۔ غرض  
 جو کچھ مجھے آتا ہے یہ اسی پانچ برس کی کمائی ہے۔  
 اور اگر سچ پوچھیے تو سب اماں جان کا صدقہ ہے۔



# نوین مجلس

آٹومی کا بیان

کہتے ہیں کہ سید عباس سولھویں برس میں تھا کہ اُسے مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ بات یہ تھی کہ زبیدہ خاتون کے چچا خواجہ کبیل جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ بہت مدت سے اُن کی کچھ خیر خبر معلوم نہ تھی تیس پینتیس برس کی عمر میں وہ دہلی سے نوکری چھوڑ کر کہیں کو چلے گئے تھے۔ اب آکر یہ خبر لگی کہ اُن کا بیٹا خواجہ ہڈیل نام اورنگ آباد دکن میں موجود ہے۔ یہ خبر کچھ ایسی تحقیق نہ تھی۔ مگر زبیدہ اس کے سنتے ہی بیقرار ہو گئی۔ لوگوں نے ہر چند سمجھایا کہ ایسی ایسی خبروں پر یقین لانا دانائی سے بعید ہے۔ لیکن اہو کا جوش کب مانتا تھا۔ آخر یہ ارادہ ٹھیرا کہ سید عباس کو اورنگ آباد

بھیجنا چاہیے۔ سارا کنبہ سمجھا کر بیٹھ رہا کہ پندرہ برس  
 کی جان کو کالے کوسوں بھیجنا کسی طرح مناسب نہیں  
 پر زبیدہ خاتون نے ایک نہ مانی اور یہ کہا کہ یہ تو  
 اس کے سفر کا ایک بہانہ ہو گیا ہے۔ اگر یہ بات  
 پیش نہ آتی تو بھی میں اُس کو شہر میں ہرگز نہ رکھتی  
 ضرور کسی نہ کسی طرف بھیجتی۔ کیونکہ آدمیت سی چیز  
 شہر کی چار دیواری میں کہیں نہیں آسکتی۔ بیشک  
 اُس کے مدرسہ چھوڑنے کا مجھے بھی افسوس ہے۔  
 مگر پھر جو دیکھتی ہوں تو کچھ افسوس کی بات نہیں۔  
 سفر آدمی کا سب سے بڑا استاد ہے۔ گویا میں اُس کو  
 ایک مدرسے سے اٹھاتی ہوں اور دوسرے میں  
 بٹھاتی ہوں۔ یہ کہا اور سفر کی تیاری شروع کی۔  
 چند روز میں سب سامان لیس کر کے بیٹے کو روانہ کیا  
 غلام امام اُس کی انا کا بیٹا۔ اور اسلام بیگ بندوچی  
 یہ دونو آدمی اُس کے ساتھ کیے۔ اور چلتے وقت یہ

تیار۔

بھین پائی بی

کہہ دیا کہ اگر خواجہ ہذیل اورنگ آباد سے کہیں چلے  
گئے ہوں تو ان کو اور شہروں میں بھی تلاش کرنا۔ اور  
جہاں کہیں ملیں فوراً انہیں ساتھ لے کر چلے آنا۔ عرض  
سید عباس اورنگ آباد پہنچا۔ تینوں آدمی ایک  
سرائے میں جا ٹھہرے اور خواجہ ہذیل کو شہر میں  
ڈھونڈنا شروع کیا۔ کئی دن کے بعد یہ معلوم ہوا کہ  
اسی نام کا ایک شخص یہاں آیا تھا مگر بیس بائیس دن  
ہوئے کہ یہاں سے ایک قافلہ حج کو گیا ہے۔ وہ بھی  
اُس کے ساتھ چلا گیا۔ سید عباس نے اسی وقت  
حج کا ارادہ کر لیا۔ نقدی اور ضروری کپڑے کے سوا  
ایک ایک گھوڑا اور ایک ایک صندوق اور ہنہ دی  
اور باقی تمام اسباب وہیں نیلام کر کے سیدہ بمبئی کو  
ہو لیے۔ چلتے وقت جو انہوں نے حساب کیا تو ابھی حج  
کے موسم میں چھ بہت مہینے باقی تھے۔ سید عباس نے  
کہا۔ بھئی سو دو سو کو س کا پھیر پڑے تو پڑے  
لیکن بڑے بڑے شہر جو تیس تیس چالیس چالیس کو س

رتے سے بچے ہوئے ہیں۔ اُن کو بھی ساتھ کے ساتھ  
 دیکھتے چلو۔ پھر خدا جانے ادھر آنے کا اتفاق ہو یا نہ ہو  
 اگر خدا کو منظور ہے تو حج کے موسم میں ماموں جان سے  
 جا ملیں گے۔ غرض وہ اور غلام امام اور اسلام بیگ  
 تینوں بمبئی کی سڑک سے اتر کر بائیں ہاتھ کو ہو لیے  
 دن بھر چلتے۔ شام کو کہیں آبادی دیکھ کر اتر پڑتے۔  
 دو ڈیڑھ مہینے تک اسی طرح دائیں بائیں پھرتے رہے  
 جب پھرنے سے خوب جی بھر گیا تو بمبئی کا رستہ لیا۔  
 اس راہ میں عجب واردات گذری۔ دو تین دن سے  
 ایک ندی اُن کے بائیں ہاتھ پڑتی تھی۔ جانا تو اُس کے  
 پار تھا مگر پار اترنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ ایک روز چلتے  
 چلتے جب پہر دن آیا تو کنارے کی زمین کچھ نرم نرم  
 آنی شروع ہوئی۔ اوپر سے تو بالکل خشک معلوم  
 ہوتی تھی مگر جہاں گھوڑوں کے قدم پڑتے تھے وہاں سے  
 گیلی مٹی نکلتی تھی۔ لیکن انہوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ اسی طرح منہ اٹھائے  
 آگے پروانچا کے ساتھ۔

پہلے گئے۔ رفتہ رفتہ سید عباس کا گھوڑا دھن میں جا پھنسا  
 ایک ایک بالشت اُس کے پاؤں زمین میں دھس گئے  
 مگر گھوڑا نہایت جاندار تھا ہنک کر نکل گیا۔ آگے اور  
 زیادہ دھن تھی۔ اب کے گھنوں تک جا رہا۔ اسلام  
 بیگ اور غلام امام نے تو یہ نقشہ دیکھ کر اپنا گھوڑا  
 وہیں روک لیا۔ سید عباس کا گھوڑا دوسری بار پھر  
 ہنکا۔ اور چاروں پتلیاں جھاڑ کر آٹھ دس ہاتھ پرے  
 جا اُترا۔ لیکن اب کے جو پھنسا پھر نہ نکل سکا۔ انہوں نے  
 اپنے دل میں کہا کہ گھوڑے کا نکلنا تو معلوم۔ مگر کسی طرح  
 سید عباس کو نکالنا چاہیے۔ وہاں سے تھوڑی دُور  
 ایک آبادی نظر آتی تھی۔ دونوں نے سید عباس کی  
 خاطر جمع کر کے گھوڑوں کی باگ اٹھادی اور جھٹ پٹ  
 اُس آبادی میں پہنچ کر وہاں سے پانچ سات آدمی اور  
 کچھ رتے اور بتلیاں وغیرہ ساتھ لیں اور ندی پر آئے۔  
 یہاں آکر جو دیکھا تو نہ سید عباس ہے۔ نہ کچھ گھوڑے کا

لہ اوپر کو زور نکال کر۔

پتا ہے۔ مگر ایک کپڑوں کا تھیلا اور کچھ اور اسباب  
 ادھر ادھر پھیلا پڑا ہے۔ اُس کو جا کر جو دیکھا تو سید  
 عباس ہی کا اسباب ہے۔ مگر اسباب والے کا کہیں  
 نشان نہیں۔ دو نوادھر ادھر دیکھنے لگے۔ وہی لوگ  
 جو اُن کے ساتھ آئے تھے انہوں نے کہا تم کیا دیکھتے ہو  
 بس اپنے رفیق سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اس دھن میں سے  
 ہم نے تو آج تک کوئی اُبھرتا دیکھا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے  
 کہ سوار اور گھوڑا دونو یہیں رہے۔ اور ہم نے تو تم سے  
 اُسی وقت کہہ دیا تھا کہ جب تک ہم وہاں پہنچیں گے  
 گھوڑے اور سوار کا پتا بھی نہیں ملنے کا۔ اُن کا یہ کہنا تھا  
 کہ ان کے چھلکے چھوٹ گئے اور ہوش و حواس بالکل  
 جاتے رہے۔ اسلام بیگ تو پھر بھی کسی قدر سنبھلا رہا  
 پر غلام امام آخر بچہ ہی تھا بے اختیار پھوٹ کر رونے لگا۔  
 آخر روتے روتے غش آگیا۔ اُسی حال میں اسلام بیگ  
 اُسے آبادی میں لے گیا۔ بارے وہاں جا کر کچھ ہوش  
 آیا۔ لیکن کیسا ہوش اور کیسے حواس؟ دو گھڑی چُپ

ہو رہتا تھا پھر جب سید عباس یاد آتا تھا۔ آپے سے  
 باہر ہو جاتا تھا۔ ادھر اسلام بیگ کو یہ فکر تھا کہ اب  
 بیگم صاحب کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے، غرض کہانتک  
 کوں اگلے دن دو نو اپنا سارا اسباب گاؤں والوں کو  
 دے دلا کر دم نقد وہاں سے چل دیے۔ اور جی میں یہ  
 ٹھان لی کہ وطن اور گھر بار سے ہاتھ اٹھائیے۔ اور  
 ساری عمر فقیری میں کاٹ دیجئے۔ برس دن تک  
 یو نہیں مارے مارے ادھر ادھر پھرتے رہے۔ آخر  
 ایک قافلہ حج کو جاتا تھا اُس کے ساتھ ہو لیے۔ تین  
 مہینے اُس کے ہمراہ رہے۔ چوتھے مہینے جب حج اور  
 زیارت سے فراغت پا چکے تو جی میں یہ آیا کہ روم میں  
 چل کر چند روز وہاں بسر کیجئے۔ اُس وقت اُن کے  
 پاس خرچ کی ایک کوڑی تک نہ تھی مگر خدا کی  
 ذات پر بھروسہ کر کے اسی طرح چل نکلے۔ رستے میں  
 بڑی بڑی سختیاں اٹھائیں۔ آخر جوں توں کر کے

لے بغیر اسباب و سامان کے۔

استبول میں پہنچے۔ تین چار مہینے وہاں رہے۔ اگرچہ وہاں کوئی جان پہچان نہ تھا لیکن اُس شہر میں اُن کا بھی کچھ ایسا لگ گیا کہ کسی طرح اُس سرزمین کے چھوڑ نیکو دل نہ چاہا۔ ایک دن دونو بازار میں بے خبر چلے جلتے تھے دیکھتے کیا ہیں کہ سامنے سے ایک لڑکا نوجوان عربی گھوڑے پر سوار گھوڑے کو دُلکی کیے چلا آتا ہے۔ جب قریب آیا تو اُن کو دیکھتے ہی گھوڑے سے کود پڑا۔ اور گھوڑا سائیس کو دے کر دونو سے آکر پٹ گیا۔ یہ جو دیکھتے ہیں تو صورت شکل سب سید عباس کی ہے مگر دل میں سوچتے ہیں کہ ہم کہاں اور سید عباس کہاں؟ آخر جب پوچھا اور اُس نے اپنا نام سید عباس بتایا۔ پھر تو اُن کا یہ حال ہوا کہ دونو کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ بارگے سید عباس اُن کو تسلی دلا سا دے کر اپنے مکان پر لے گیا۔ مکان کو جو جا کر دیکھتے ہیں تو بالکل امیرانہ ٹھاٹھ ہیں۔ اصطلبل میں چار گھوڑے بھی

بندھے ہیں۔ دو تین گاڑی بگیاں بھی کھڑی ہیں۔ لوگر  
 چاکر۔ خدمتگار۔ باورچی۔ خانساماں۔ سب اپنے اپنے  
 کام پر مستعد ہیں۔ آگے رہنے کا مکان بھی نہایت  
 پُر تکلف ہے۔ میز۔ کرسی۔ کوچ۔ مسہری۔ جھاڑ۔ فانوس  
 سب کچھ موجود ہے۔ اب یہ حیران ہیں کہ الٰہی یہ خواب ہے  
 یا بیداری ہے؟ غرض وہاں پہنچتے ہی اول انہوں نے  
 یہ پوچھا کہ تم دھسن میں سے کیونکر نکلے؟ اُس نے کہا  
 تم تو وہاں گھوڑے دوڑا کر آبادی کی طرف گئے اور  
 یہاں میرا گھوڑا دھسن میں اُترنا شروع ہوا۔ جب  
 گھوڑا سینے تک دھسن گیا۔ میں نے اپنے جی میں کہا  
 کہ بس گھوڑے سے ہاتھ اٹھاؤ۔ نہیں تو اب کوئی  
 دم میں تم کو بھی لے بیٹھتا ہے۔ یہ کہہ کر وہیں میں اُسکی  
 کمر سے جدا ہوا۔ مگر میں نے دھسن پر اپنا پاؤں  
 نہیں ٹیکا۔ نہیں تو میں بھی وہیں رہتا۔ میں نے  
 کیا کیا کہ جو کچھ اسباب میری کمر میں لگا ہوا تھا وہ تو

لے نا امید ہو جانا چاہیے۔

جلدی جلدی کھول کر خشکی میں پھینکا۔ اور ایک ہاتھ میں بندوق لی اور گھوڑے کے پتھے پر سے پھسل کر دھن میں جت آکر پڑا۔ اس سے میرا سارا بوجھ ایک ہی جگہ نہ رہا بلکہ دور تک پھیل گیا۔ سخت زمین جہاں تم نے اپنے گھوڑے روکے تھے وہاں سے پچیس تیس قدم ہوگی۔ اب میں نے ہاتھ تو پھیلا لیے اور وہاں سے لوٹتا لوٹتا خشکی تک جا پہنچا۔ مگر بیچ میں جہاں ذرا سی دیر بھی ٹھہر جاتا تھا وہیں دھسنے لگتا تھا۔ مگر خدا نے مجھے اُس وقت ایسی ٹھہرتی دی کہ لوٹ پوٹ کر باہر نکل ہی آیا۔ کپڑے تمام گارے میں لت پت ہو گئے تھے میں نے کہا۔ اتنے تم آبادی سے اُٹے پھر کر آؤ میں ندی پر چل کر کپڑے دھو لوں اور نہا بھی لوں۔ اسباب تو وہیں چھوڑا اور بندوق ہاتھ میں لے کر ندی پر آیا۔ ندی کو جو آکر دیکھتا ہوں تو اس زور شور سے جاتی ہے کہ اُس میں گھستے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ وہاں کی زمین کچھ نیچی تھی۔ اس لیے پانی

بہت زور سے آتا تھا۔ مگر یہ لڑکپن بھی آدمی کو خواب  
 کرتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تیرنا تو مجھ کو  
 خوب آتا ہی ہے۔ پانی اگر ایسا ہی زور کرے گا کوس  
 آدھ کوس بہا لے جائیگا۔ پھر نکل آؤں گا۔ خدا نے  
 چاہا تو ڈوبنے کا نہیں۔ یہ سوچ کر کپڑوں سمیت  
 ندی میں کود پڑا۔ مگر پانی کے ریلوں نے ہوش بھلا دیے  
 سات آٹھ کوس تک تو مجھے دم نہ لینے دیا۔ آخر جب  
 کچھ پانی کا زور گھٹا اور میرے اوسان ذرا درست  
 ہوئے تو پر لاکنارا وہاں سے بہت قریب تھا۔ خدا  
 خدا کر کے وہاں پہنچا اور جناب باری کا شکر ادا کیا  
 کہ اُس نے دو بلاؤں سے نجات دی۔ مگر اب یہ  
 سوچتا ہوں کہ تم سے ملوں تو کیونکر ملوں؟ اپنے میں تو  
 اتنا دم نہیں پاتا کہ پھر پانی میں اتر کر ندی کے پار  
 جاؤں اور پل یا کشتی کہیں نظر نہیں آتی۔ اسی تردید میں  
 وہاں بیٹھا ہوا کپڑے سکھا رہا تھا۔ جب کپڑے سوک گئے  
 تو کنارے ہی کنارے ناؤ کی تلاش میں چلا۔ مگر کہیں

ناؤ نہ ملی۔ لاچار جب شام ہو گئی تو وہاں سے کوس  
 آدھ کوس پر کچھ آبادی سی تھی وہاں چلا گیا۔ رات  
 وہاں بسر کی۔ صبح کو اٹھ کر پھر ندی پر آیا۔ اور خدا کا  
 نام لے کر پانی میں کود پڑا۔ یہاں پانی کا کچھ ایسا زور  
 نہ تھا اور ندی کا پاٹ بھی کچھ بہت چکلا نہ تھا۔ تھوڑی سی  
 دیر میں اس پار اُتر آیا۔ مگر جہاں تمہیں چھوڑا تھا۔  
 وہاں میں اور یہاں میں اب کوسوں کا فرق پڑ گیا۔  
 نو دس کوس تک تو مجھ کو پانی ہی بہا کر لے گیا تھا۔  
 پانچ سات کوس ناؤ کی تلاش میں بھی گیا ہوں گا۔ غرض  
 صبح سے چلتے چلتے پانچ بجے شام کے قریب وہیں پھر پہنچا  
 پہلے تو دائیں بائیں تم کو دیکھا۔ جب کہیں پتہ نہ ملا  
 تو اپنے اسباب کو جا کر ڈھونڈا۔ اُس میں سے بھی  
 کوئی چیز نہ پائی۔ پھر ندی کے اُسی کنارے پر جہاں  
 اول کپڑے دھونے گیا تھا وہاں پہنچا۔ وہاں میری بندوبست  
 اُسی طرح رکھی ہوئی تھی جس طرح میں چھوڑ کر گیا تھا۔  
 اُس کو وہاں سے اٹھا کر وہی آبادی جہاں تم گھوڑا

دوڑا کر گئے تھے۔ اُس میں پہنچا۔ وہاں کے لوگوں سے  
 تمہارا اتنا پتلا لگا کہ وہ ایک رات یہاں ضرور رہے تھے  
 پھر خبر نہیں کہ صبح کو چلے۔ میں پانچ سات روز تک  
 تو تم کو اُسی نواح میں ڈھونڈتا رہا۔ لیکن جب کہیں  
 سراغ نہ پایا تو مایوس ہو کر بمبئی کا رستہ لیا۔ میری  
 جیب میں جو پانچ سات روپے رہ گئے تھے۔ بس  
 وہی تو سمجھ لیجے۔ اس کے سوا روپیہ پسیا جو کچھ تھا  
 سب اُسی اسباب کے ساتھ گیا۔ صرف میں تھا اور  
 میری بندوق تھی یا خدا کی ذات کا سہارا تھا۔ مگر  
 مجھ کو اللہ کی عنایت سے نہ کسی کی التجا کرنی پڑی  
 نہ کسی سے کچھ مانگنا پڑا۔ یہی چار پیسے جو میرے پاس  
 بچ رہے تھے اُس میں سے دو جوڑے تو میں نے  
 کپڑوں کے بنوائے تھے۔ اور کچھ گولی۔ چھڑہ۔ بارود  
 اور ٹوپیاں خرید لی تھیں۔ اور دو ایک چقماق کی  
 پتھریاں لے لی تھیں۔ کچھ نمک باندھ لیا تھا۔ ایک

لے پتہ۔



چاکو مول لے لیا تھا۔ رستے میں جہاں بھوک لگتی  
 ایک آدھ جانور مار لیتا اور اُس کے کباب کر کے  
 کھا لیتا۔ شام کو اگر کوئی آبادی آجاتی تو وہاں  
 ٹھہر جاتا اور نہیں تو کچھ اس کی بھی پروا نہ تھی۔  
 جنگل ہی میں پڑا رہتا۔ آخروں توں کر کے بمبئی  
 پہنچا۔ وہاں میرے پاس اور خرچ تو کیا تھا ایک  
 بارو دھچرہ تھا سو وہ بھی تمام ہو چکا۔ میں نے اپنی  
 بندوق پچاس روپے کو دے ڈالی اور ایک دوکان میں  
 جا ٹھہرا۔ دو چار کپڑے عزت کے بنوائے۔ ایک خدمتگار  
 نوکر رکھا۔ اور اپنی حیثیت درست کر کے وہاں کے  
 عمدہ لوگوں سے ملنا شروع کیا۔ وہاں شیخ فاروق  
 نامی ایک تاجر بمبئی بہت بڑے دولت مند ہیں۔ اور  
 اُن کے اخلاق اور علم و فضل بھی وہاں ایک ایک کے  
 زباں زد تھے۔ رفتہ رفتہ وہاں بھی پہنچا۔ انہوں نے  
 میری بہت خاطر داری کی۔ اور چلتے وقت بہت  
 تاکید سے کہدیا کہ جب تک یہاں رہو ہم سے ضرور



ملتے رہنا اور میرا پتا نشان کبھی سب پوچھ لیا۔ شام کو  
 دیکھتا کیا ہوں کہ اُن کا آدمی کھانے کا خوان  
 مزدور کے سر پر رکھوائے لیے چلا آتا ہے۔  
 یہاں تک کہ وہ پوچھتا پوچھتا میرے ہی پاس  
 اُن پہنچا۔ اور مجھ کو اپنے سامنے کھانا کھلو اکر  
 چلتے ہوئے یہ کہہ گیا کہ آپ جب تک یہاں رہیں  
 اپنے لیے کھانا نہ پکوائیں۔ کھانا آپ کے لیے  
 دو نو وقت وہیں سے آیا کرے گا۔ جب میں نے  
 اُن کی طرف سے اس قدر مدارات دیکھی۔ اب تو  
 مجھے اُن کے ہاں روز جانا پڑا۔ اگلے دن جو وہاں  
 جانے کا اتفاق ہوا تو وہ اُس وقت ایک تین نیگنئے  
 زبرد کے ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے اور اپنے داروغہ سے  
 یہ پوچھ رہے تھے کہ یہاں کون کون سے آدمی ہر  
 کھودنے میں اُستاد ہیں؟ میں نے کہا۔ آپ کو کیا  
 کھدوانا منظور ہے؟ انہوں نے کہا یہ تینوں نگ  
 میرے پاس زبید سے آئے ہیں۔ اور جنہوں نے

یہ بھیجے ہیں اُن کا نام حن اور اُن کے چھوٹے  
 بھائیوں کا نام محسن اور احسن ہے۔ - ان پر یہ تینوں  
 نام کھدیں گے۔ اور ان دونوں ایران سے ایک  
 بہت بڑے خوشنویس وہاں گئے ہوئے ہیں۔  
 اُن سے لکھو اگر تینوں ناموں کا نمونہ بھیجا ہے اور  
 یہ چاہتے ہیں کہ اُس کے موافق نام کھد جائیں۔  
 اس میں سب موفرق نہ ہو۔ میں نے کہا۔ پھر کسی  
 مہرکن کو بلو کر دکھائیے؟ انہوں نے اسی داروہ کو  
 بھیج کر ایک مہرکن کو بلوایا۔ اُس نے نمونہ کو دیکھ کر  
 پہلے تو انکار کیا کہ ہم سے ایسے حرف نہیں کھد سکتے  
 پھر کہنے لگا کہ اگر ایک اشرفی حرف دیجے تو اپنی طرف  
 جہاں تک ہو سکیگا اس میں محنت کی جائے گی۔  
 انہوں نے کہا اس سے کچھ کم بھی لوگے؟ کہا اگر ایک  
 روپیہ حرف بھی کم دیکھیگا تو نگوں کے بگڑنے کا میں  
 ذمہ دار نہیں ہونے کا۔ بگڑیں تو آپ کے اور سنویں تو  
 آپ کے۔ غرض اُس سے تو معاملہ نہ بنا۔ جب وہ

چلا گیا۔ میں نے اُن کے آدمیوں سے پوچھا کہ یہاں  
 کوئی اور مہرکن بھی ہے؟ انہوں نے کہا۔ صاحب!  
 اس سے بہتر اس شہر میں تو کوئی ہے ہی نہیں۔  
 مگر ایک کشمیری چند روز سے آیا ہوا ہے۔ اُس کی  
 بہت دھوم سنتے ہیں۔ اگر کہتے تو اُس کو بلا لائیں؟  
 میں نے کہا کشمیر کے مہرکن تو عالم میں مشہور ہیں۔  
 بیشک وہ اُستاد ہوگا۔ اُسی کو لاؤ۔ آدمی تو اُسے  
 لینے گیا اور میں نے ایک چاکولے کر اُس نمونے کے  
 تینوں ناموں میں سے نون کے نقطے چھیل ڈالے۔  
 اور اُنہیں حرفوں کے موافق قلم بنا کر محسن کا محش بنا دیا  
 اور محسن کا محش اور احسن کا محش۔ شیخ نے جو دیکھا  
 گھبرا کر کہنے لگے کہ ہا! تم نے یہ کیا غضب کیا؟ میں نے  
 کہا۔ آپ کے حرف تو میں نے بگاڑے ہی نہیں  
 نقطے البتہ بدل ڈالے ہیں۔ سو میں آپ کا مہمان ہوں  
 میرا یہ قصور معاف فرمائیے۔ وہ ہنس کر مجھ سے پوچھنے لگے  
 کہ سچ کہو یہ بات کیا ہے؟ میں نے کہا۔ ذرا مہرکن کو

آ لینے ویسے۔ دیکھئے اس کا حال ابھی آپ پر  
 کھلا جاتا ہے۔ وہ اُس کاغذ کو اٹھا کر بہت دیر تک  
 غور سے دیکھتے رہے۔ مگر کچھ انکی سمجھ میں نہ آیا۔  
 اتنے میں مہر کن بھی آگیا۔ اُس کو تینوں نگ اور  
 نمونہ دکھایا گیا۔ وہ حقیقت میں بہت بڑا استاد تھا  
 اُس نے نمونے کو دیکھتے ہی بتا دیا کہ یہ حرف تو کسی  
 بڑے کامل استاد کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں  
 مگر نقطے اُس کے ہاتھ کے نہیں معلوم ہوتے۔ غرض  
 اُس سے جو پوچھا تو اُس نے بھی وہی اشرفی حرف  
 کہا۔ میں نے کہا۔ جب ایک حرف کی ایک اشرفی ہوئی  
 تو کم سے کم فی نقطہ ایک روپیہ تو ہونا چاہیے۔ کہا۔  
 اس میں کچھ شک بھی ہے؛ ان حرفوں کے مطابق  
 نقطے لگانے کچھ ہنسی کھیل نہیں ہیں۔ میں نے کہا  
 جتنے نقطے ہم اس میں سے کم کر دیں گے۔ اتنے  
 روپے بھی مجرا دو گے؛ وہ سمجھا کہ شاید یہ ہنستے ہیں  
 کہا۔ آنکھوں سے۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا۔ اب

آپ ان تینوں لفظوں کے حرف تو گن لیں۔ اور  
 تینوں نگ اور یہ نمونے لے جائیں۔ اور نقطے ابھی  
 نہ لگائیگا۔ ان تینوں لفظوں میں اٹھارہ نقطے ہیں  
 ان میں سے جتنے کم کیے جائیں گے۔ اتنے ہی روپے  
 تمہاری اجرت میں سے کاٹ لیے جائیں گے۔ اُس نے  
 کہا۔ بہت اچھا۔ اور وہ تینوں نگ اور نمونے لے کر  
 چل دیا۔ جب وہ چلا گیا۔ میں نے شیخ سے کہا۔ لیجے  
 حضرت! میں نے آپ کے تین نقطے چھیل کر چار اشرفی  
 کی بچت کرادی۔ کہا۔ کیونکر؟ میں نے کہا۔ نون کے  
 نقطے اڑانے سے ایک ایک حرف تو تینوں ناموں  
 میں سے کم ہو گیا۔ تین اشرفیاں تو یہی بچیں۔ اب  
 جس وقت وہ ہرے کھو دلائے گا اُس سے کم دیا جائیگا  
 کہ ان اٹھارہ نقطوں میں سے ایک ایک نقطہ شین کے  
 دائروں میں لگا دو۔ اور پندرہ نقطے جو باقی رہے  
 اُس کے پندرہ روپے مجرا دو۔ پہلے آپ کو گیارہ  
 اشرفیاں دینی پڑیں اب سات ہی دینی پڑیں گی

صلح خدا کے فضل سے جیسے دولت مند ہیں ویسے ہی  
 سیر چشم بھی ہیں۔ سوان کو ایسی ایسی بچت کاتو  
 کیا خیال ہوتا۔ ہاں مگر یہ لطیفہ اُن کو نہایت پسند آیا  
 لیکن اس کے سوا خدا تعالیٰ نے میری زبان سے  
 اُن کا ایک اور بڑا فائدہ کرا دیا۔ اُس پر البتہ وہ  
 نہایت خوش ہوئے۔ بات یہ ہے کہ اُن کے ہاں  
 اکثر کپڑے کے جہاز ولایت سے آیا کرتے ہیں۔ اگر  
 اُن کو خاطر خواہ نفع مل جاتا ہے تو وہ یوں نہیں  
 بھرے کے بھرے بیسی والوں کے ہاتھ بچھڑاتے ہیں  
 اور نہیں تو سیدھے کھلتے بھیجتے ہیں۔ وہاں  
 جا کر اچھی طرح بک جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک  
 جہاز کے آنے کی خبر تھی۔ اُس کا بیجک تو اُن کے  
 پاس آگیا تھا مگر ابھی جہاز نہیں آنے پایا تھا کہ  
 خریداروں کا ہجوم ہوا۔ کتنی روپے پر لینے کو  
 بہت سے گاہک آئے مگر انہوں نے کہا کہ میں دو تہائی  
 روپیہ سے کم کو ہرگز نہیں دینے کا۔ میں نے کہا۔

آپ کیا غضب کرتے ہیں؟ یہاں کے تھوڑے  
 نفع کو بھی بہت سمجھنا چاہیے۔ دریا کا مقدمہ ہے  
 خدا جانے کیا افتاد پڑے؟ اور میرے نزدیک تو  
 آپ ہمیشہ اُونے پُونے کر کے جہاں تک ہو سکے  
 یہیں دے ڈالا کیجے۔ اگرچہ اُن کی مرضی تو نہ تھی  
 مگر وہ میرا لحاظ بہت کرنے لگے تھے۔ میری خاطر سے  
 انہوں نے اُسی وقت اتنی روپیہ پر سودا کر لیا۔  
 اُس میں پچاس ہزار روپیہ کا کپڑا تھا۔ اور کچھ اوپر  
 تین ہزار روپے منافع کے ہوئے۔ کل روپے کی  
 طرف سے تو اطمینان کر لیا۔ اور کپڑے کا بیجک  
 خریدار کے حوالے کیا۔ خدا کی قدرت جب عدن سے  
 جہاز چل لیا اور اُس کو چلے ہوئے چار دن بھی  
 گذر گئے دفعۃً یہ خبر آئی کہ جہاز ڈوب گیا۔ آدمی تو  
 کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر سب نکل آئے۔ مگر مال  
 جس قدر تھا سب جہاز کے ساتھ غرق ہو گیا۔  
 شیخ نے یہ خبر سنکر خریدار کے حال پر بہت تاسف

کیا۔ مگر اس بات کا نہایت شکر ادا کیا۔ کہ  
 خدا تعالیٰ نے اُن کے مال پر کسی طرح کی آنچ  
 نہ آنے دی۔ جس وقت یہ خبر آئی میں بھی انہیں  
 کے ہاں موجود تھا۔ مجھ سے کہنے لگے حضرت! یہ  
 آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ میں یہ کلمہ سنکر  
 شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔ اور میں نے یہ کہا  
 کہ سچ ہے آپ بجا فرماتے ہیں۔ مجھے واقعی الہام  
 ہوا تھا کہ یہ جہاز عدن سے آگے نکل کر غرق ہو جائیگا  
 ۲۔ حضرت! خدا خدا کیجیے۔ جب اللہ تعالیٰ کو یہی  
 منظور تھا کہ آپ کا مال تلف نہ ہو۔ اگر میں نہ کہتا  
 آپ کے دل میں خود یہ بات پڑ جاتی۔ اور ایسی  
 بات آپ کی زبان سے نکلتی نہایت بعید ہے۔  
 آدمی کو نفع نقصان جو کچھ پہنچتا ہے سب خدا کی  
 طرف سے ہے۔ پھر اُس کے کام کو بندے کی طرف  
 نسبت کرنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ اس بات کے  
 میری جگہ اُن کے دل میں بہت ہو گئی۔ اسی طرح

ولایت سے ایک سوال آیا تھا کہ ہندوستان کی  
 شائستگی کون کون سی بات پر موقوف ہے اور  
 زیادہ تر سرکار کی توجہ پر موقوف ہے یا ہندوستان کی  
 کوشش پر؟ اس کا جواب انہوں نے مجھی سے  
 لکھوا کر بھیجا تھا۔ خدا کی عنایت سے وہ جواب  
 کچھ ایسی نیک گھڑی لکھا گیا کہ انہوں تو نہایت ہی  
 پسند کیا مگر ولایت سے بھی اُس کی تعریف اخبار  
 میں چھپی ہوئی آئی۔ غرض قصہ مختصر چار مہینے بھگو  
 وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ پانچویں مہینے جب  
 حج کا موسم آیا۔ میں نے شیخ سے اجازت چاہی  
 انہوں نے کہا۔ حج کے بعد کہاں کے ارادے ہیں  
 میں نے کہا۔ روم جانے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے  
 دس ہزار روپیہ دے کر مجھ کو رخصت کیا۔ میں  
 وہاں سے اول مکہ معظمہ میں آیا ایک مہینے وہاں  
 رہا۔ حج سے فراغت پا کر مدینہ منورہ گیا۔ سوا مہینے  
 کے قریب وہاں رہا۔ وہیں ماموں جان سے بھی

ملاقات ہو گئی (غلام امام نے پوچھا۔ وہ کہاں ہیں؟  
 اُس نے کہا۔ یہیں ہیں۔ اس وقت بازار گئے ہیں  
 گھڑی آدھ گھڑی میں آجائیں گے) وہاں سے  
 میں اور ماموں جان استنبول میں آئے۔ یہاں  
 آتے ہی یہ خبر سنی کہ سلطان کے ہاں ایک خدمت  
 ترجمانی کی کئی برس سے خالی ہے اور دو ہزار روپے  
 مہینا اُس کی تنخواہ ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا  
 کہ اتنی مدت تک خالی رہنے کا کیا سبب ہے؟  
 انہوں نے کہا۔ اُس میں شرط یہ ہے کہ جو شخص  
 کم سے کم پانچ زبانیں جانتا ہو وہ اس خدمت پر  
 مقرر ہو سکتا ہے۔ اور وہ پانچ زبانیں یہ ہیں  
 ترکی۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ میں نے  
 یہ خبر سنتے ہی ترکی سیکھنی شروع کی۔ چھ مہینے  
 برابر رات دن محنت کر کے تقریر میں تو خوب  
 مہارت پیدا کر لی۔ اور تحریر میں بھی بُری بھلی  
 طرح اپنا مطلب ادا کر لیتا ہوں۔ اور پانچ چار

مہینے فرانسیسی زبان سیکھی مگر یہ زبان ایسی  
 نہ تھی کہ پانچ چار مہینے میں آجاتی۔ میں نے  
 خدا کا نام لے کر یہ درخواست دے دی کہ  
 چار زبانوں میں تو میں اس وقت امتحان دے  
 سکتا ہوں اور فرانسیسی بھی اگرچہ کس قدر جانتا ہوں  
 مگر اس میں امتحان نہیں دے سکتا۔ میں چاہتا ہوں  
 کہ جو زبانیں مجھے آتی ہیں ان میں میرا امتحان ہو کر  
 یہ اسامی تو بالفعل میرے نام زد ہو جائے۔ اور  
 چھ مہینے کی صلت مل جائے۔ اس کے بعد میں  
 فرانسیسی زبان میں بھی امتحان دے دوں گا  
 دربار میں پہنچتے ہی میری درخواست منظور ہوگئی  
 اور بعد امتحان کے اس اسامی پر مجھ کو مامور کر دیا  
 فرانسیسی زبان میں ابھی امتحان نہیں ہوا۔ اسی  
 سبب سے تنخواہ بھی پوری نہیں ملتی۔ مگر خدا کی  
 عنایت سے اس میں بھی مجھ کو خاصی دستگاہ  
 ہوگئی ہے۔ لیکن ابھی چھ مہینے نہیں گزرے۔

کچھ دن اور ایک مہینا باقی ہے۔ اس کے بعد  
 امتحان ہوگا۔ غلام امام اور اسلام بیگ یہ باتیں  
 سن کر ایسے خوش ہوئے کہ سفر کی تکلیفیں اور  
 جدائی کے صدمے بالکل بھول گئے۔ دم بدم  
 خدا کا شکر ادا کرتے تھے اور اس کی خدائی پر  
 دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ خداوند! اگر  
 تو ہم کو سرخرو نہ کرتا تو ہمارا منہ اس قابل نہ تھا  
 کہ گھر والوں کو جا کر اپنی شکل دکھاتے۔ تو نے  
 ہم کو دنیا میں بسایا اور ہمارے دکھتے دلونکی  
 دعائیں لی۔ اس کے بعد غلام امام نے کہا  
 کیوں جی! بیگ صاحب نے آپ کو اسی لیے  
 بھیجا تھا کہ ماموں جان کو لے کر استنبول چلے جانا  
 اور وہاں امتحان دے کر ترجمانی کی نوکری  
 کر لینا؛ سید عباس نے مسکرا کر کہا۔ بیشک  
 ہم سے قصور تو بہت بڑا ہوا۔ مگر امید ہے کہ  
 اماں جان ضرور معاف کر دیں گی۔ اب میرا

ارادہ ہے کہ اپنا سارا حال امان جان کو لکھ بھیجوں۔ اور خرچِ راہ بھیج کر ان کو یہیں بلالوں۔ حج کا ارادہ تو ان کا مدت سے تھا ہی اب یہ خاصا موقع نکل آیا۔ مگر تم دونوں صاحبوں کو وہاں جانا پڑے گا۔ اور یقین ہے کہ ماموں جان بھی تمہارے ساتھ تشریف لے جائیں۔ انہوں نے کہا۔ ہم کو کیا عذر ہے جس وقت آپ کہیں اسی وقت ہم چلنے کو تیار ہیں؟

غرض سید عباس نے دو مہینے کے بعد اسلام بیگ اور غلام امام اور خواجہ ہذیل کو ہندوستان کی طرف چلتا کر دیا۔ اور زبیدہ خاتون کو دلی سے لے کر عرب کو چلے گئے۔ اول حج کیا پھر مدینہ شریف کی زیارت کی۔ وہاں سے استنبول کا رستہ لیا۔ جب زبیدہ خاتون وہاں پہنچ گئی۔ چند روز کے بعد سید عباس کی

شادی ایک بہت بڑے اہم سبب ہوگی  
سب نے وہیں کا رہنا اختیار کر لیا۔  
بس یہ قصہ تمام ہوا۔ خدا تعالیٰ ہر ایک اولاد  
کو ایسی ماں اور ہر ایک ماں کو ایسی اولاد  
عنایت کرے۔ آمین \*

تمام شد





کوتب خان پور

جامعہ اسلامیہ

۱۔ ادارہ میں سے تمام افسران و عملے کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۲۔ ادارہ کی تمام عمارتوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۳۔ ادارہ کی تمام زمینوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۴۔ ادارہ کی تمام اثاثوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۵۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔

۶۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۷۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۸۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۹۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۱۰۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔

۱۱۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۱۲۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۱۳۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۱۴۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔  
 ۱۵۔ ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کو ایک ایک ایجنسی کے تحت منتقل کیا جائے گا۔







